دیوانِ غالبؔ نسخۂ خواجہ

اصل حقائق

ڈاکٹر تحسین فراقی

دیوانِ غالب، نسخۂ خواجہ

اصل حقائق

ڈاکٹر تحسین فراقی

بک ٹاک ○ اُردو بازار ○ لاہور

مکتبہ جدید پریس ریلوے روڈ لاہور

ملنے کے پتے

۱۔ ویلکم بک پورٹ، اُردو بازار، کراچی
۲۔ شمع بک سٹال، بھوانہ بازار، فیصل آباد
۳۔ مکتبہ تعمیرِ انسانیت، اُردو بازار، لاہور
۴۔ یونیورسٹی بک ایجنسی، خیبر بازار، پشاور
۵۔ کتاب گھر، اقبال روڈ، راولپنڈی

(۱)

جولائی ۱۹۵۴ء کے ماہِ نو (کراچی) میں ڈاکٹر سید عبداللہ نے دیوانِ غالب کے ایک ایسے نادر قلمی نسخے کا تعارف کرایا تھا جو کم و بیش ایک سو دو برس قبل معرضِ شہود میں آیا تھا۔ یہ نسخہ اِس اعتبار سے خوش قسمت ہے کہ سید عبداللہ کے نوشتہ تعارف کے چوالیس برس بعد یہ کاملاً طباعت سے آراستہ ہو کر غالب کے عشاق تک پہنچ گیا ہے، بدقسمت اِس اعتبار سے ہے کہ پنجاب یونیورسٹی کا مملوکہ یہ نسخہ اب پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں موجود نہیں۔ ہاں یہ لاہور شہر سے باہر نہیں گیا، اس کا ٹھکانا معین ہے چنانچہ اس دُرِ بے بہا کی بازیافت ممکن ہے۔

ع یوسفِ گُم گشتہ باز آید بہ کنعاں غم مخور

اِس قیمتی قلمی نسخے کو متعارف کرانے سے پہلے سید عبداللہ نے ایس ایم اکرام کے علاوہ مولانا امتیاز علی عرشی سے خط کتابت کی اور ان کی توضیحات کی روشنی میں اِس نسخے کے سنہ کے تعین کی کوشش کی۔ سید صاحب نے اِس قلمی نسخے کے مندرجہ ذیل کوائف بتائے تھے:

"اوراق ۶۴، تقطیع ۸" x ۵"۔ سرِلوح و تعویذ مطلاّ، شنگرف و لاجورد سے منقّش، مُغلیہ نقّاشی کے انداز پر۔ پہلے دو صفحے مُطلاّ۔ حاشیہ اور بین السطور مُطلاّ بیل بوٹے۔ ہر نئی غزل سے پہلے بیل بوٹے شنگرفی۔ خاتمے پر بھی بیل بوٹے طِلاکاری سے۔"

"سب سے پہلے فارسی دیباچہ ہے جس کا آغاز یوں ہوتا ہے:

مشامِ شمیم آشنایاں را صلاو نہادِ انجمن نشینان را مژدہ کہ لختے از سامانِ مجمرہ گردانی . . . . الخ - یہ دیباچہ مرزا غالب کا لکھا ہوا ہے چنانچہ ان کا نام عرف اور تخلص سب کچھ اس میں موجود ہے . . . . . . اس میں دیباچہ بلا تاریخ ہے - اِس نسخے کے آخر میں "خاتمہ" کے عنوان سے ایک تقریظ ہے جو نواب محمد ضیاء الدین خان بہادر کی لکھی ہوئی ہے - اس کا سرنامہ یہ ہے :

دمیدنِ سپیدۂ سحری از تیرہ شبِ سوادِ اوراق بفر فروغ گستری عبارت تقریظ کہ پیدائی آں اثریست از آثارِ خرامِ خامۂ دل رُبا برادر بدل نزدیک، بجاں برابر، عالی دودمانِ والا گہر، نواب محمد ضیاء الدین خان بہادر سلمہ اللہ تعالیٰ۔"

"اس تقریظ میں یہ بھی لکھا ہے :

"ہمگی اشعارِ شعری شعار غزل[1] و قطعہ و رُباعی ہزار و پانصد و پنجہ واند یافتم۔" تقریظ کا آخری جملہ یہ ہے جس پر یہ نسخہ ختم ہو جاتا ہے : از من یادگارے و برائے دیگراں تذکارے باد۔"

دیوانِ غالب کے اس نادر قلمی نسخے پر سید عبداللہ کے مرقومہ تعارف نامے[2] کے چار برس بعد قاضی عبدالودود نے "متفرقات" کے زیرِ عنوان "مخطوطۂ دیوانِ غالب" کے سرنامے کے تحت پنجاب یونیورسٹی لاہور کے اِسی نسخے پر مختصر تعارفی شذرہ لکھا جو نقوش کے شمارہ ۶۹-۷۰، بابت اکتوبر ۱۹۵۸ء میں شایع ہوا۔ اِس شذرے کے خاص نکات یہ تھے :

(۱) یہ قلمی نسخہ بشمول صفحۂ اوّل سادہ و دیباچۂ غالب و تقریظ نیّر ۱۲۸ (ایک سو اٹھائیس) صفحوں پر مشتمل ہے۔

---

[1] سید عبداللہ سے غزل کے بعد قصیدہ کا لفظ درج ہونے سے رہ گیا۔

[2] ماہِ نو (کراچی) جولائی ۱۹۵۴ء، ص ۱۵، ۱۶۔

(۲) دیباچہ ۲ تا ۴ (تین صفحات) پر مشتمل ہے۔
(۳) غزلیں صفحہ ۴ سے ۱۰۶ تک ہیں اور غزلوں کے اشعار کی مجموعی تعداد ۱۳۱۲ ہے۔
(۴) قصاید ص ۱۰۶ سے ۱۱۷ تک ہیں۔
(۵) کل اشعار ۱۵۴۸ ہیں مگر تقریظ میں ہزار و پانصد و پنجہ واند ہے[1]۔

دیوانِ غالب کے اسی نادر مخطوطے کو مولانا امتیاز علی خاں عرشی نے "نسخۂ لاہور" کے نام سے موسوم کرتے ہوئے اپنے مرتبہ دیوانِ غالب (نسخۂ عرشی) میں اس کی جو خصوصیات بیان کی تھیں اُن کا خلاصہ یہ ہے:

(۱) اِس نسخے کے کل مکتوبہ ورق ۶۴ ہیں۔
(۲) مسطر ۱۵ سطر کا ہے۔
(۳) ورق اوب پر سنہری، سفید، آبی، نیلی، سُرخ اور زرد رنگ کی لوح کے نیچے فارسی دیباچہ شروع ہوا ہے۔ اس صفحے اور اگلے صفحے کے حاشیوں میں باریک اور نازک قلم سے مُطلّا اور ملوّن بیل بنائی گئی ہے۔ نیز ان دونوں صفحوں کا بین السطور مذہّب ہے۔ پُوری کتاب میں چھے رنگ کی جدول ہے۔ ہر دو نظموں کے درمیان ایک سطر کے بقدر جگہ چھوڑی گئی ہے۔ اور اسے رنگین بیل سے بھرا گیا ہے۔ جہاں کہیں آخری شعر کو دو سطروں میں لکھا گیا ہے وہاں دونوں جانب کی جگہوں کو خوبصورت بیل بوٹوں سے بھر دیا ہے۔
(۴) خط بتاتا ہے کہ نواب فخرالدین محمد خان بہادر کا لکھا ہوا ہے جو میرزا کے مشہور اور پسندیدہ کاتب تھے۔
(۵) شعر میں ہندسے کو لفظوں میں لکھا جاتا ہے۔ انھوں نے ایسی جگہوں میں

---

[1] تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمایئے نقوش شمارۂ مذکور ص ۲۰۹، ۲۱۰

لفظ کے اُوپر عدد کی شکل بھی بناتی ہے۔

(۶) میرزا کی ہدایت کے مطابق کاتب ڈ کی جگہ ذ لکھتے ہیں اور خُرشید میں واؤ نہیں لکھتے۔

(۷) وَرَق ۲ ب کی چوتھی سطر سے دُوسری لَوح کے نیچے غزلیں شروع ہوتی ہیں۔ وَرَق ۵۳ ب سے قصیدے، وَرَق ۵۸ الف سے قطعے اور وَرَق ۶۰ الف سے رُباعیاں شروع ہوتی ہیں۔ آخر میں بعنوانِ خاتمہ نیّر کی تقریظ ہے جو وَرَق ۶۲ ب سے شروع ہوکر ۶۴ ب پر ختم ہوتی ہے۔

(۸) تقریظ میں اشعار کی تعداد ہزار و پانصد و پنجہ و اند بتائی گئی ہے۔ میں نے شمار کیا تو ۱۵۴۷ اشعار نکلے[1]۔

۱۹۹۸ء کے اواخر میں ڈاکٹر سیّد معین الرحمٰن نے دیوانِ غالب کا ایک قلمی نُسخہ مرتّب و مدوّن کرکے اسے " دیوانِ غالب ــ نسخۂ خواجہ" کے عنوان سے شایع کیا۔ اِس نسخے کو اُنھوں نے اپنے ذخیرۂ غالبیات کی " بیش قیمت متاع" قرار دیا ہے۔ "یہ قلمی نُسخہ مع ایک اور قلمی نسخے اور چند مطبوعہ نادر کتابوں کے، انھیں" پُرانی کتابوں کے ایک کاروباری سے" (ص ۵) مِلا۔" بڑے مثالی اہتمام اور کاوش کے ساتھ تیار ہونے والا یہ قلمی نسخہ بقول سیّد معین الرحمٰن " غالب ہے کہ نواب ضیاء الدّین احمد خاں یا کسی شہزادے کے ذخیرے کا گوہرِ گم گشتہ ہو" (دیوانِ غالب نسخۂ خواجہ ص ۶)۔ دلچسپ بات ہے کہ پنجاب یونیورسٹی لاہور کے قلمی نسخے کا تعارف کراتے ہوئے چالیس برس پہلے ڈاکٹر سیّد عبداللہ نے بھی اسے ضیاء الدّین احمد خاں یا کسی شہزادے کے لُٹے ہوئے خزانے کا دُرِّ بے بہا قرار دیا تھا (ماہِ نو جولائی ۱۹۵۴ء، ص ۱۵، ۱۷) میری رائے یہ ہے کہ معین الرحمٰن صاحب کا

---

[1] عرشی صاحب نے دیوان میں شامل مختلف اصناف کے اشعار کی تعداد کی جو تفصیل الگ الگ دی ہے اُن کی کُل میزان ۱۵۴۸ بنتی ہے، ۱۵۴۷ نہیں۔ عرشی صاحب کو سہو ہُوا ہے۔

پیش کردہ "یہ گوہرِ گم گشتہ" اور سید عبداللہ کا نشان کردہ یہ "دُرِّ بے بہا"، کوئی الگ الگ دو موتی نہیں بلکہ ۱۸۵۲ء کے نصف اوّل کے کلامِ غالب کا حامل وہی "دُرِّ یتیم" ہے جسے آخری حادثہ دہلی کی راجدھانی کے بجائے لاہور کے صوبائی دارالحکومت میں پیش آیا اور یوں یہ لُٹ پٹ کر موجودہ تدوین کار تک پہنچا۔ اِس ضمن میں شواہد کی تفصیل ذرا آگے چل کر پیش کی جاتی ہے۔

اِس قلمی نسخے کو، جسے نسخۂ خواجہ کا نام دیا گیا ہے مُرتّب نے ذیل کے الفاظ میں متعارف کرایا ہے:

"۱۲۷ صفحات پر مشتمل نسخۂ خواجہ کی جدول چھے (۶) رنگ کی ہے۔ پہلے صفحے سے لے کر آخری صفحے تک مُطلّا اور مذہّب، خوشنما بیل بوٹے انتہائی دیدہ زیب باریک، نفیس طلائی کام سے مزیّن۔"

(ص ۱۵)

معین صاحب نے اِس نُسخے کی صنف وار تعدادِ اشعار کا جو گوشوارہ مُرتّب کیا ہے، اُس کی رُو سے غزل کے کُل اشعار ۱۳۱۲ (تیرہ سو بارہ) قصائد کے اشعار، ۱۶۲ (ایک سو باسٹھ)، قطعات کے اشعار ۵۰ (پچاس) اور رُباعیات کے اشعار ۲۴ (چوبیس) ہیں۔ مجموعی تعداد اشعار ۱۵۴۸ (پندرہ سو اڑتالیس) ہے۔

معین صاحب مزید فرماتے ہیں:

"نسخۂ خواجہ کے پہلے صفحے پر غالب کے فارسی دیباچے کی آٹھ سطریں آئی ہیں[1]۔ اِس صفحے کا تقریباً نصف اوّل دلکش اور رنگ برنگ لوح نے گھیرا ہے۔ غالب کا یہ فارسی دیباچہ جس پر کوئی تاریخ درج نہیں، صفحہ ۳ کی پہلی سطر پر تمام ہوتا ہے۔ اس کے معاً بعد پھر خوبصورت لوح ہے جس کے پیچھے غزلیں شروع ہو جاتی ہیں۔" (ص ۱۶)

---

[1] اتنی ہی سطریں سید عبداللہ کے متعارفہ دیوانِ غالب کے قلمی نسخے کے پہلے صفحے کی ہیں۔

"نسخۂ خواجہ کے صفحہ ۱۲۳ (ایک سو تیئس) کے آغاز میں سرخ روشنائی سے بخطِ جلی خاتمہ کا عنوان دلکش لوح میں درج ہے۔ فارسی میں یہ تقریظ نواب ضیاء الدین نیّر رخشاں کے زورِ قلم کا نتیجہ ہے۔ یہ تقریظ ص ۱۲۷ (ایک سو ستائیس) کی آٹھویں سطر تک گئی ہے۔ اِس آخری صفحے کا قریب نصف آخر ایک دلکش لوح سے مزیّن ہے جس کے وسط میں ایک کاغذ چپاں ہے جو اگرچہ اپنے رنگ و رُوپ (؟) کے اعتبار سے معاصر اور قدیم معلوم ہوتا ہے اور اصل نسخے کے کاغذ کا ہم رنگ اور ہم عُمر ہے لیکن بظاہر یہ بعد کا اضافہ ہے۔ اس پر کسی 'فتح دین' کے دستخط ہیں۔ ایک دُوسرے قلم سے "فتح دین" بھی لکھا گیا ہے۔" (ص ۱۷)

آگے چل کر لکھتے ہیں :

"نیر رخشاں کے "خاتمے" کی یہ عبارت تعدادِ اشعار کے سلسلے میں ہماری رہنمائی کرتی ہے: "ہمگی اشعار شعری شعارِ غزل و قصیدہ و قطعہ و رُباعی ہزار و پانصد و پنجہ واندیافتم . . . . اصلاً متن کے اشعار کی قطعی تعداد ۱۵۴۸ بنتی ہے۔"

مرتّب کا موقف ہے کہ ان کا متعارفہ قلمی نُسخہ غالب کے پاس اور ان کے پیشِ نظر رہا ہے اور انھوں نے کہیں کہیں اس پر اپنے قلم سے اغلاط کاتب کی تصحیح کی ہے، اگرچہ نسخے میں موجود بہت سی غلطیاں اُن کی نگاہ سے چُوک بھی گئیں۔ بالکل یہی مَوقف، مولانا امتیاز علی عرشی کا دیوانِ غالب کے نسخۂ لاہور کے بارے میں ہے۔ مرتّب کو یہ بھی اعتراف ہے کہ ایک آدھ کے سوا عرشی کی بتائی ہوئی سب جلی غلطیاں نسخۂ خواجہ میں موجود ہیں۔

مرتّب نے اپنے دیباچے میں نُسخۂ خواجہ کی کتابت کی خصوصیات گنواتے ہوئے لکھا ہے کہ ٹ کے لیے ہر جگہ "ط" کے نیچے دو نقطے ڈالے گئے

ہیں اور "اِک" کو "ایک" بدونِ فقاط لکھا گیا ہے۔ پُورے نسخے میں ہر صفحے پر 'ترک' کا التزام بھی کیا گیا ہے۔

امتیاز علی عرشی کے متعارفہ "نسخۂ لاہور" کا ذکر کرتے ہُوئے معین الرحمن لکھتے ہیں :

"نسخۂ لاہور کے تحت مولانا امتیاز علی عرشی نے دیوانِ غالب (نسخۂ عرشی طبع دوم ۱۹۸۲ء۔ دہلی) [کے] مقدمے میں جو کچھ لکھا ہے وُہ بعض غیر اہم جُزوی اختلافات کے ساتھ، اپنے مشمولات اور کوائف کی تفصیل کے اعتبار سے زیرِ نظر نسخۂ خواجہ کے کم و بیش[1] عین مطابق ہے۔"

یہی بات وُہ آگے چل کر دیباچے کے بہرۂ ہشتم کے آغاز میں لکھتے ہیں :

"قاضی عبدالودود نے "مخطوطۂ دیوانِ غالب" کتب خانۂ دانش گاہ پنجاب لاہور اور مولانا امتیاز علی عرشی نے "نسخۂ لاہور" کے طور پر جس مخطوطے کے کوائف بیش کیے ہیں، بڑی حد تک جزئیات سمیت اس کی تفصیلات اور علامات وُہی ہیں جو زیرِ نظر نسخۂ خواجہ میں موجود ہیں۔ یونیورسٹی لائبریری (لاہور) ———————— کے جس نادر نُسخے کا ڈاکٹر سیّد عبداللہ نے تعارف کرایا ہے وہ بھی نُسخۂ خواجہ سے مماثل ہے لیکن اس میں کچھ اختلافات اور فرق تعدادِ اشعار اور مشمولات کا ہے۔" (ص ۳۵)

ص ۳۸ پر مرتّب کا اعتراف بایں الفاظ سامنے آتا ہے :

"جسے مولانا امتیاز علی عرشی "نُسخۂ لاہور" کہہ رہے ہیں، وہ اپنے کوائف اور مشمولات کے اعتبار سے قریب قریب وہی ہے

---

[1] "کم و بیش" کے لفظ مرتّب کے ذہنی خلجان کے آئینہ دار ہیں۔

جو "نسخۂ خواجہ" کے طور پر پیش نظر اور ہدیۂ ناظرین ہے۔"

واضح رہے کہ "نسخۂ لاہور" کا روٹو گراف مولانا عرشی کو قاضی عبدالودود نے اپنے دورۂ پاکستان (۱۹۵۷ء) کے بعد فراہم کیا تھا۔ حال ہی میں ہندوستان سے اس روٹو گراف کی ایک جزوی نقل (بصورت فوٹو اسٹیٹ) راقم کو فراہم ہو گئی ہے جس کے چند صفحات سے زیر نظر مقالے کی ترتیب میں مدد لی گئی ہے۔

ڈاکٹر معین الرحمٰن کے مرتبہ "دیوانِ غالب نسخۂ خواجہ" کے ضمن میں میری (اور پاک و ہند کے کئی اہلِ علم کی) رائے یہ ہے کہ یہ نسخہ، ڈاکٹر سید عبداللہ، مولانا امتیاز علی عرشی اور قاضی عبدالودود کے متعارفہ "نسخۂ لاہور" (مملوکہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری لاہور) سے الگ کوئی نسخہ نہیں، عین مین وہی نسخہ ہے۔ اس ضمن میں "دیوانِ غالب نسخۂ خواجہ" کی نسخۂ لاہور سے غیر معمولی مماثلت کی طرف خود ڈاکٹر معین الرحمٰن تواتر سے اشارہ کر چکے ہیں اور ان کے ارشادات سابقہ صفحات میں نقل کیے جا چکے ہیں۔ جب میں یہ کہتا ہوں کہ نسخۂ خواجہ، پنجاب یونیورسٹی لائبریری ہی کا گم شدہ یا مسروقہ نسخہ ہے تو میرے پاس اس ضمن میں مندرجہ ذیل دلائل ہیں :

(۱) سید عبداللہ، قاضی عبدالودود، مولانا عرشی اور خود معین الرحمٰن کی نشاندہی کے مطابق اس قلمی نسخے کے ۶۴ (چونسٹھ) اوراق یا ۱۲۸ (ایک سو اٹھائیس) صفحات ہیں۔ معین الرحمٰن صاحب نسخے کے صفحات ایک سو ستائیس بتاتے ہیں کیونکہ وہ قلمی نسخہ کے پہلے خالی صفحے کو شمار میں نہیں لاتے۔ یہی بات ہندوستان کے ممتاز محقق پروفیسر ڈاکٹر حنیف نقوی نے لکھی ہے کہ معین صاحب نے مخطوطے کے جس صفحے کو صفحہ نمبر ایک قرار دیا ہے، وہ در اصل اس مخطوطے کا صفحہ نمبر دو ہے۔ (ر۔ک دیوانِ غالب نسخۂ خواجہ — تجزیہ و تحسین مرتبہ معراج نیر/اصغر ندیم سید، ص ۳۹) گویا اصلاً اس مخطوطے کے کل اوراق چونسٹھ یا صفحات

ایک سو اٹھائیس ہی ہیں، ایک سو ستائیس نہیں جیسا کہ معین صاحب نے مغالطہ پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔

(۲) اِس قلمی نسخے کی مطلا اور مذہب جدول اور اس کی منقش لوح اور دیگر بیان کردہ تمام جزئیات مشمولہ تحریراتِ سیّد عبداللہ، مولانا عرشی و معین الرحمٰن میں کوئی فرق نظر نہیں آتا۔

(۳) اِس قلمی نسخے کا سائز اور مسطر کی سطریں (پندرہ) سیّد عبداللہ، مولانا عرشی اور معین الرحمٰن صاحب کے یہاں ایک ہی ہیں۔ اِس ضمن میں یہ عرض کرنا ضروری ہے کہ سیّد عبداللہ نے اگرچہ مسطر کی سطروں کی تعداد نہیں بتائی مگر ہماری خوش قسمتی ہے کہ انھوں نے اِس نادر قلمی نسخے کے پہلے دو صفحات کا بڑا عمدہ مگر مُقصَّرہ (Reduced) عکس ماہِ نو (جولائی ۱۹۵۴ء) میں اپنے مضمون کے ساتھ شایع کر دیا تھا۔ لوح والے پہلے صفحے کو چھوڑ کر اگلے مکمل مسطر کے حامل صفحے کی سطروں کو گنیں تو تعداد پندرہ نکلتی ہے۔ علاوہ ازیں سیّد عبداللہ کے دو صفحات کے پیش کردہ عکس اور معین الرحمٰن صاحب کے نسخے کے متعلقہ دو صفحات کے عکس میں کسی طرح کا کوئی فرق نہیں حتیٰ کہ نقطے اور شوشے تک کا فرق نہیں۔ یہی حال مذکورہ روٹو گراف کے دو صفحات کے فوٹو اسٹیٹ کا ہے۔ اگلے صفحات میں نسخۂ سیّد عبداللہ، نسخۂ لاہور (مُتعارفۂ عرشی) اور نسخۂ خواجہ (متعارفۂ سیّد معین الرحمٰن) کے عکس قارئین کے مشاہدے کے لیے پیش کیے جا رہے ہیں تاکہ وہ ان کے عَین مین نسخۂ واحد ہونے کی گواہی دے سکیں۔

(۴) نسخۂ خواجہ کے نسخۂ لاہور (یا نسخۂ پنجاب یونیورسٹی متعارفۂ سیّد عبداللہ) ہونے کی ایک ناقابلِ تردید دلیل یہ ہے کہ اس پر لکھنے والے چاروں حضرات نے نیّر کی تقریظ کے اختتامی پیرے کے جو الفاظ نقل کیے ہیں وہ یہ

ہیں :

"چوں بہ احصای افراد ایں ھمایوں صحیفہ شتافتم ہمگی اشعارِ شعری شعارِ غزل و قصیدہ و قطعہ و رباعی ہزار و پانصد و پنجہ و اند یافتم ۔"

یعنی "جب میں اس مبارک مجموعے کے اشعار کی گنتی پر آمادہ ہوا تو جملہ روشن لقا اشعار از قسمِ غزل و قصیدہ و قطعہ و رباعی ایک ہزار پانچ سو پچاس سے کچھ اُوپر نکلے۔" اصلاً ان اشعار کی تعداد جیسا کہ سابق میں مذکور ہوا، ۱۵۴۸ (پندرہ سو اڑتالیس) ہے۔

قارئین! یہاں میری دلیل کو نظر انداز کر کے پہلے سید معین الرحمٰن صاحب کے اس اختلاف پر توجہ فرمائیے جس کی رُو سے انھوں نے اپنے نسخے کو سید عبداللہ کے مُتعارفہ نسخے سے مختلف ثابت کرنا چاہا ہے اور لکھا ہے کہ نسخۂ خواجہ میں اشعار کی مجموعی تعداد ۱۵۴۸ ہے۔ ان میں ۱۳۱۲ (تیرہ سو بارہ) شعر غزلیات کے ہیں اور باقی دُوسری اصناف کے جبکہ سید عبداللہ کے بقول ان کے زیرِ بحث نسخے میں ۱۵۶۸ (پندرہ سو اڑسٹھ) اشعار ہیں۔ ان میں ۱۳۳۲ (تیرہ سو بتیس) اشعار غزل کے ہیں اور باقی دُوسری اصناف کے۔ سید عبداللہ نے یہ بھی لکھا ہے کہ ان کے مُتعارفہ نسخے میں دو غزلیں جن کے اوّلین مصرعے یہ ہیں موجود نہیں :

(ا) "دونوں جہان دے کے وہ سمجھے یہ خُوش رہا" اور

(ب) "لازم تھا کہ دیکھو مرا رستہ کوئی دن اور"، جبکہ بقول سید معین الرحمٰن یہ دونوں نسخۂ خواجہ میں موجود ہیں۔ واضح رہے کہ یہ دونوں غزلیں نسخۂ لاہور (متعارفہ عرشی) میں بھی موجود ہیں۔ بظاہر معین الرحمٰن صاحب کی دلیل بڑی وزنی معلوم ہوتی ہے لیکن غور کیا جائے تو بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ سید عبداللہ سے اشعار شماری میں غلطی ہوئی ہے۔ اِس بات کا بھی قوی امکان ہے کہ انھوں نے مخطوطے کی اشعار شماری کا غیر تخلیقی کام اپنے کسی شاگرد سے لیا ہو

اور اس کی فراہم کردہ شماریات پر بھروسہ کر لیا ہو۔ اگر ان کے قلمی نسخے میں
پندرہ سو ساڑھے اشعار تھے تو پھر نیّر کے ان الفاظ کے کیا معنی ہیں جو خود سیّد
عبداللہ نے اپنے مضمون میں نقل کیے ہیں اور جن کے مطابق اشعار کی تعداد
"ایک ہزار پانچ سو پچاس سے کچھ اوپر" ہے۔ علاوہ ازیں اگر مذکورہ بالا دو
غزلیں جن کے اشعار کی کل تعداد تیرہ بنتی ہے ان کے نسخے میں موجود نہیں اور
ان کے یہاں غزلوں کے کل اشعار تعداد میں ۱۳۳۲ ہیں تو تیرہ کی تعداد منہا کر
دینے کے بعد تو بقیہ اشعار غزل کی تعداد نسخۂ خواجہ کی تعداد کے مطابق ۱۳۱۲
ہو جانی چاہیے تھی مگر تعداد پھر بھی نسخۂ خواجہ سے زیادہ ہی رہتی ہے یعنی ۱۳۱۹
(تیرہ سو انیس)۔ اِس قضیئے کا حل سوائے اس کے کچھ نہیں کہ سیّد عبداللہ کے
شمار کردہ اشعار کی تعداد کو نظر انداز کر کے تقریظِ نیّر" میں بیان کردہ تعداد پر
توجّہ مرکوز کی جائے۔ جب قاضی عبدالودود، مولانا عرشی، ڈاکٹر سیّد عبداللہ
اور خود معین الرحمٰن صاحب کے متعارفہ نسخوں میں اشعار کی تعداد تقریظ
کے آخری پیرے میں ایک ہی بیان ہوتی ہے تو یہ نسخے الگ الگ کیسے ہو
سکتے ہیں؟ غالب کی زندگی میں دیوانِ غالب چار بار شایع ہوا۔ چوتھے ایڈیشن
(مطبع نظامی کانپور ۱۸۶۲ء) کے سوا ہر ایڈیشن کے آخر میں نیّر کی تقریظ شایع
ہوتی رہی۔ ہر بار اس تقریظ میں سہل انگاری کے باعث اوّلین اشاعت کے
سنہ کو تو بعینہٖ باقی رکھا جاتا رہا لیکن تعدادِ اشعار پہلے ایڈیشن سے مختلف
دی جاتی رہی اور ایسا ہونا فطری تھا اس لیے کہ اِس عرصے میں جو نئے اشعار
کہے جاتے تھے وہ نئے ایڈیشن میں شامل کر لیے جاتے تھے اور لا محالہ تقریظ میں
ان اشعار کی قریب قریب صحیح تعداد کی نشاندہی ضروری ہو جاتی تھی۔ مثلاً دیوانِ
غالب کے پہلے مطبوعہ ایڈیشن کی تقریظ میں اشعار کی تعداد "یک ہزار و نود و ہشت
اند" (حالانکہ ہشت کے بعد "اند" کی گنجائش نہ تھی) مرقوم ہے۔ اِسی طرح
دیوانِ غالب کے دوسرے ایڈیشن (مئی ۱۸۴۷ء) کی تقریظ میں اشعار کی تعداد

"یک ہزار و یک صد و اند" بتائی گئی ہے (ص ۹۸)۔ تیسرے ایڈیشن (۱۸۶۱ء) کی تقریظ میں تعدادِ اشعار "یک ہزار و شش صد و نود و پنج اند" درج کی گئی ہے ۔ اب فرض کیجیے کہ دیوانِ غالب کا پہلا ایڈیشن (۱۸۴۱ء) پانچ سو کی تعداد میں شائع ہُوا اور اس کی تقریظ (نثر) میں تعدادِ اشعار ایک ہزار اٹھانوے (۱۰۹۸) بتائی گئی۔ تو کیا معین الرحمٰن صاحب یہ ثابت کر سکیں گے کہ ان پانچ سو صحیح و سالم نسخوں میں کوئی ایک نسخہ بھی ایسا ہو جس میں اشعار کی تعداد اسی ایڈیشن کے کسی اور نسخے کے مقابلے میں کم یا زیادہ ہو؟ ظاہر ہے ایسا ممکن نہیں اِلّا یہ کہ کوئی نسخہ ناقص ہو۔ اسی مثال پر ان چار قلمی نسخوں (بظاہر چار، اصلاً واحد) کو قیاس کریں۔ اگر ان نسخوں کے آخر میں لکھی گئی تقریظ میں چاروں جگہ "ہزار و پانصد و پنجہ و اند" ہی کے الفاظ ملتے ہیں تو اِس بات کا کیا امکان رہ جاتا ہے کہ نسخۂ لاہور متعارفہ قاضی عبدالوَدود، نسخۂ متعارفہ عرشی اور نسخۂ متعارفہ معین الرحمٰن میں تو اشعار کی تعداد یکساں ہو مگر نسخۂ متعارفہ سیّد عبداللہ میں بیس اشعار زیادہ ہوں اور کل تعداد ۱۵۴۸ کے بجائے ۱۵۶۸ (پندرہ سو اڑسٹھ) نکلے در آنحالیکہ یہ چاروں نسخے ہر طرح مکمل و سالم ہوں۔ اور ان چاروں نسخوں کا سائز ایک ہو، مسطر کی سطریں ایک ہوں، کاتب کے قلم کا پوائنٹ ایک ہو، صفحات کی تعداد ایک ہو۔ سیّد عبداللہ کے متعارفہ قلمی نسخے کے ابتدائی دو صفحوں کے محفوظ عکس کے ساتھ نسخۂ خواجہ اور نسخۂ لاہور (متعارفہ عرشی) میں موجود انہی دو صفحوں کو ملا کر دیکھیے ایک حرف تو کجا ایک نقطے اور شوشے کا فرق بھی نظر نہیں آتا۔ دونوں صفحوں پر سطروں کی تعداد بالکل وہی ہے جو دُوسرے دو نسخوں میں ہے۔ اِن دو محفوظ صفحوں کی ہر سطر جس لفظ سے شروع ہو کر جس لفظ پر ختم ہوتی ہے، من و عن نسخۂ لاہور (متعارفۂ عرشی) اور نسخۂ خواجہ میں ہر سطر اسی ابتدائی لفظ سے شروع ہو کر اسی اختتامی لفظ پر ختم ہوتی ہے۔ یہی حال متنِ اشعار کا ہے یعنی نسخۂ لاہور (متعارفہ عرشی) اور نسخۂ خواجہ میں صفحہ بہ صفحہ بالکل ایک ہی پیٹرن پر اشعار کا اندراج ملتا ہے۔ جس جس صفحے پر "ترک" بنے ہیں

وہاں نسخۂ خواجہ اور نسخۂ لاہور (عرشی) میں ذرہ برابر فرق نظر نہیں آتا۔ تقابل کے لیے نسخۂ خواجہ اور نسخۂ لاہور سے شعری متن درج کیا جارہا ہے۔ یہاں یہ بات بھی قابلِ توجہ ہے کہ جب تمام نسخوں کا سائز ایک ہے، مسطر ایک ہے، صفحات ایک ہیں، قلم کا پوائنٹ ایک ہے تو پھر سوال یہ ہے کہ اگر سیّد عبداللہ کے متعارفہ نسخے بیں بیس شعر زیادہ تھے تو پھر وہ کس جگہ کھپائے گئے کیونکہ عملاً ایسا ہونا ممکن ہی نہیں تھا۔ مجھے ڈاکٹر حنیف نقوی صاحب کے اِس تبصرے سے حرف بہ حرف اِتفاق ہے کہ مولانا عرشی، قاضی عبدالودود اور ڈاکٹر سیّد عبداللہ نے اپنے اپنے طور پر دیوانِ غالب کے جس نسخۂ لاہور کا تعارف کرایا ہے وہ معین صاحب کے شایع کردہ نسخے سے مختلف نہیں اور یہ کہ اشعار کے شمار میں سیّد عبداللہ سے سہو ہُوا ہے۔ کم و بیش ایسے ہی قیاس کا اظہار برِّعظیم کے ممتاز محقق رشید حسن خاں نے کیا ہے۔ انھوں نے سیّد عبداللہ کے تعارف کو ناقص بتایا ہے[۱] اور معین الرحمٰن کے متعارفہ نسخۂ خواجہ کو "عَین مَین نسخۂ لاہور" سے تعبیر کیا ہے۔ آپ معین الرحمٰن اور رشید حسن خاں کی مراسلت پڑھ جائیے محسوس ہوتا ہے کہ رشید حسن خاں ایک لمحے کے لیے بھی اِس بات کے قائل نظر نہیں آتے کہ نسخۂ خواجہ نسخۂ لاہور سے الگ کوئی نسخہ ہے۔ چونکہ اپنے طویل علمی تجربے اور گہری بصیرت کے باعث وہ اصل صُورتِ حال سے واقف ہیں اِس لیے انھوں نے معین صاحب کی کاوش کو خراجِ تحسین پیش کرنے کے بجائے نسخۂ خواجہ کی دیدہ زیبی کی داد دی ہے۔ نسخۂ خواجہ کے بارے میں ان کا یہ جملہ آج کل لاہور اور کراچی کے بعض اہلِ علم میں گردش کر رہا ہے کہ "ملکیت بدل جانے سے نسخہ نہیں بدل جاتا۔"

---

[۱] ڈاکٹر پروفیسر حنیف نقوی اور رشید حسن خاں کے مذکورہ خیالات کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو "دیوانِ غالب ـ نسخۂ خواجہ، تجزیہ و تحسین" کے ص ۳۸، ۳۹ اور ۵۳ تا ۵۹

سید معین الرحمٰن اِس بات کو ماننے پر آمادہ نظر نہیں آتے کہ اشعار شماری میں سید عبداللہ سے غلطی ہو سکتی ہے حال آنکہ سید عبداللہ کے زیرِ نظر مضمون میں اشعار شماری کی غلطی کے علاوہ اور بھی کئی سہو نظر آتے ہیں۔ مثلاً اسی مضمون میں وہ ایک جگہ لکھتے ہیں :

"دیوانِ اُردو طبعِ اوّل کی تقریظ میں تعدادِ اشعار ۱۰۷۲، طبعِ ثانی میں ۱۷۹۳۔ پھر اس نسخے میں جو خود مرزا نے ۱۸۵۷ء سے قبل شاید (۱۸۵۴ء/۱۲۷۱ھ) نواب محمد یوسف علی خان والیٔ رامپور کے نذر گزرانا تھا، اِس میں کل ۱۶۹۰ اشعار بتائے گئے ہیں۔ (ملاحظہ ہو دیباچہ نظامی ایڈیشن)"

"..... یہ تو ظاہر ہے کہ غالب کے اشعار کی تعداد میں بمرورِ وقت اضافہ ہوتا گیا۔ ان کا پرانا دیوان تو خیر پرانا ہُوا ..... منتخب دیوان کے مختلف نسخوں کے اشعار میں بھی بہت فرق پایا جاتا ہے اور یہ فرق بالکل قدرتی ہے جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے، ۱۲۵۴ھ کے نسخے میں تعدادِ اشعار ۱۰۷۲ ہے، رامپور کے نسخہ میں ۱۶۹۰ اور طبعِ ثانی میں ۱۷۹۳۔ یہ تعدادِ اشعار ہر نسخے کے زمانے کے لیے کلید کا درجہ رکھتی ہے یعنی کم اشعار والا نسخہ اقدم ہوگا اور زیادہ اشعار والا نسخہ مؤخر ہوگا اِس لحاظ سے موجودہ نسخہ رامپور والے نسخے سے پہلے کا ہونا چاہیے۔[۱]"

اب آپ تضاد ملاحظہ فرمایئے کہ زیرِ بحث مضمون میں ایک جگہ تو بحوالہ عرشی پہلے ایڈیشن (سید المطابع) کی تقریظ میں اشعار کی تعداد ۱۰۹۰ سے کچھ زیادہ (اند) بتاتے ہیں[۲] اور اگلے صفحہ پر اِس تقریظ میں مذکور اشعار کی تعداد ۱۰۷۲ بتاتے

---

[۱] ماہِ نو، کراچی، جولائی سنہ ۱۹۵۴ء، ص ۱۷

[۲] دیکھیے : ایضاً " " ص ۱۶

جہاں۔ طرفہ تر یہ ہے کہ صفحہ ۱۶ پر دُوسرے ایڈیشن میں اشعار کی تعداد بحوالہ عرشی گیارہ سو بتاتے ہیں اور اگلے ہی صفحہ میں سابقہ بیان کو نظر انداز کر کے اسی دُوسرے ایڈیشن (طبع ۱۸۴۷ء) کے اشعار کی تعداد ۱۰۹۳ بتاتے ہیں۔ رامپور والے ایڈیشن کا، جس کے اشعار کی تعداد سیّد صاحب نے ۱۰۹۶ بتائی ہے، سنہ ترتیب ۱۸۵۴ء ہے۔ اب اگر سیّد صاحب کے استدلال کو کام میں لایا جائے تو اس کے مطابق رامپور کا نسخہ اقدم ہونا چاہیے اور طبع ثانی جس میں اشعار کی تعداد ۱۰۹۳ ہے اسے مؤخر ہونا چاہیے حال آنکہ یہ بات معلوم ہے کہ دیوانِ غالب کا دُوسرا ایڈیشن ۱۸۴۷ء میں شایع ہوا اور اس کے اشعار کی تعداد تقریظ میں گیارہ سو درج ہے۔ گویا ثابت یہ ہوا کہ رامپور والا نسخہ جس میں اشعار کی تعداد ۱۰۹۶ ہے، دُوسرے ایڈیشن سے مؤخر ہے نہ کہ اقدم۔

مضمون کے آخر میں سیّد صاحب نے لکھا ہے کہ "عین ممکن ہے کہ اس نسخے کے گہرے مطالعے سے کچھ اور انکشافات بھی ہوں"[۲] اس کا مطلب صاف ظاہر ہے کہ سیّد صاحب دیوانِ غالب کے نسخۂ لاہور کو بوجوہ بنظرِ غائر نہ دیکھ سکے۔ اسی وجہ سے ان سے اشعار شماری میں بھی غلطی ہوئی۔

سیّد معین الرحمٰن سیّد عبداللہ کے سہو کو تو ماننے پر تیار نہیں مگر بعض دیگر حضرات کی اشعار شماری کی غلطیوں کی وہ خُود ایک سے زیادہ مقامات پر نشاندہی کر چکے ہیں مثلاً اسی نسخۂ خواجہ میں وہ بتا چکے ہیں کہ عرشی صاحب سے اشعار گننے میں غلطی ہوئی (دیکھیے ص ۲۶، حاشیہ نمبر ۹) اسی طرح وہ دیوانِ غالب طبع دوم کے بارے میں بتاتے ہیں کہ اس کی اشعار شماری میں بھی غلطیاں ہوئیں اور بڑے اہم لوگوں سے، مثلاً عرشی صاحب کے نزدیک دیوانِ غالب

---

[۱] ماہِ نو، کراچی، جولائی ۱۹۵۴ء، ص ۱۷

[۲] ایضاً ص ۱۹

طبعِ دوم میں اشعار کی کل تعداد ۱۱۰۹ (گیارہ سو نو) تھی۔ سید اسد علی انوری اس ایڈیشن کے اشعار کی تعداد ۱۱۶۰ (گیارہ سو ساٹھ) بتاتے ہیں، مالک رام کے بقول اِس نُسخے میں اشعار کی تعداد گیارہ سو گیارہ تھی جبکہ خود معین الرحمٰن نے اس طبعِ دوم کے اشعار کی تعداد ۱۱۵۸ (گیارہ سو اٹھاون) بتائی تھی۔ اگر عرشی اور مالک رام کے پائے کے لوگ گنتی میں غلطی کر سکتے ہیں تو سید عبداللہ سے غلطی کیوں نہیں ہو سکتی؟ تحقیق میں کوئی چیز حرفِ آخر نہیں ہوتی۔ خود معین الرحمٰن صاحب سے بھی پیشِ نظر دیوانِ غالب کی تدوین میں بیسیوں غلطیاں ہوئیں جن کا ذکر اس مقالے میں آگے چل کر آئے گا۔

سید معین الرحمٰن صاحب نے اس قیاس کا بھی اظہار کیا ہے کہ ممکن ہے نُسخۂ خواجہ اور نُسخۂ لاہور دونوں نسخوں کی "اصل" کوئی ایک ہی مسودہ رہا ہو جس سے ایک ہی کاتب نے ایک ساتھ دو نقلیں تیار کی ہوں[۱]۔ اِسی لیے دونوں میں بہت سی غلطیاں مشترک ہیں۔ یہ قیاس اِس لیے بے بُنیاد نظر آتا ہے کہ نُسخۂ خواجہ اور نُسخۂ لاہور اگر الگ الگ نسخے ہوں اور انھیں ایک ہی کاتب نے ایک ساتھ لکھا ہو تب بھی ان میں تھوڑے بہت فرق کا پیدا ہونا لازم ہے جبکہ اِن دونوں میں اِس قدر حیرت انگیز مماثلت ہے کہ انھیں ایک دُوسرے کا عکس قرار دیا جا سکتا ہے اور یہ بات ظاہر ہے کہ کاتب اور پرنٹنگ پریس مُترادف نہیں ہوتے۔ اب رہا یہ سوال کہ نُسخۂ خواجہ اور نُسخۂ لاہور میں بعض مقامات پر فرق ہے تو کیوں۔ سو آیئے پہلے اِس فرق کی نوعیت معلوم کر لیں۔ اِس ضمن میں معین الرحمٰن صاحب فرماتے ہیں کہ اُن کے زیرِ نظر نُسخۂ خواجہ میں بعض جگہ نُسخۂ لاہور (متعارفہ عرشی) سے انحراف ملتا ہے[۲] مثلاً عرشی صاحب کے نزدیک پورے

---

[۱] دیکھیے "غالب کا علمی سرمایہ"، ص ۴۰۹، ۴۱۰۔
[۲] دیکھیے "دیوانِ غالبؔ نُسخۂ خواجہ، تجزیہ و تحسین"، ص ۴۲

نسخۂ لاہور میں (ا) "اِک" کو "ایک" بدونِ نقاط لکھا ہے، (ب) شعر میں ہندسے کو لفظوں میں لکھا جاتا ہے، کاتب نے ایسی جگہوں میں لفظ کے اُوپر عدد کی شکل بھی بناتی ہے۔ (ج) کاتب میرزا صاحب کی ہدایت کے مطابق "خورشید" میں واؤ نہیں لکھتا۔ معین صاحب کا دعویٰ ہے کہ ان کے نسخۂ خواجہ میں (ا) صفحہ نمبر ۱۰، شعر ۶ کے دونوں مصرعوں میں اِک نقطوں کے ساتھ ہے، (ب) نسخۂ خواجہ میں یہ اہتمام (یعنی لفظ کے اُوپر عدد کی شکل) ایک آدھ جگہ ہی دکھائی دیتا ہے۔ (ج) نسخۂ خواجہ میں ص ۲۰، شعر ۶ کے دُوسرے مصرعے میں "خُورشید" میں واؤ لکھا گیا ہے[۱]۔ معین صاحب نے یہ بھی لکھا ہے کہ ان کے نسخے میں نسخۂ لاہور (عرشی) کے برعکس "مژگاں ہوگا" کے بجائے "مژگاں ہونا" ہی ضبط ہُوا ہے۔ (ص ۲۷)

معین صاحب کے پہلے اعتراض کے ضمن میں دیوانِ غالب نسخۂ خواجہ کو ص ۱ پر کھولیے اور شعر نمبر ۶ کے دونوں مصرعے ملاحظہ فرمائیے۔ متنی عکس میں شعر یوں لکھا ہے:

یاد کر وُہ دن کہ ہر یک حلقہ تیرے دام کا
انتظارِ صید میں اک دیدۂ بے خواب تھا

پہلے مصرعے میں "اِک" کا لفظ نہیں "یک" کا لفظ ہے، لہٰذا معین صاحب کا ارشاد غلط ثابت ہُوا۔ دُوسرے میں "اِک" ہے مگر اسے کاتب نے ایک (بدونِ نقاط) ہی لکھا ہے اور یوں معین صاحب کے برعکس عرشی صاحب ہی کے مَوقف کی تصدیق کی ہے۔

معین صاحب فرماتے ہیں کہ ان کے نسخۂ خواجہ میں ص ۲۰، شعر ۶ کے دُوسرے مصرعے میں "خُورشید" میں واؤ لکھا گیا ہے۔ عرض یہ ہے کہ نسخۂ لاہور

---

[۱] دیوانِ غالب، نسخۂ خواجہ، ص ۲۵ (مرتّب کا مقدمہ)

(متعار فۂ عرشی) میں بھی اسی صفحے کے اسی شعر کے دُوسرے مِصرعے میں "خورشید" میں دال موجود ہے اور اس کی نشاندہی خود عرشی کر چکے ہیں۔ (دیکھیے دیوانِ غالب، نسخۂ عرشی ص ۷، ۱۱، دیباچہ) لگتا ہے نسخۂ خواجہ اور نسخۂ لاہور کے اختلافات نمایاں کرنے کے اضطراب میں معین صاحب عرشی صاحب کا نسخۂ لاہور پر لکھا ہُوا مختصر تعارف نامہ بھی غور سے نہیں پڑھ سکے۔

اب رہ گئیں دو باتیں۔ اوّل یہ کہ بقول معین صاحب صفحہ ۱۹ شعر ۱۹ اور ص ۳۱ شعر ۶ میں لفظ اک کو "ایک" لکھا گیا ہے۔ تو یہ بات درست ہے، ان کی یہ بات بھی درست ہے کہ نسخۂ خواجہ میں لفظ کے اُوپر عدد کی شکل کا اہتمام نسخۂ خواجہ میں ایک آدھ جگہ ہی دکھائی دیتا ہے۔ ان کا یہ ارشاد بھی بجا ہے کہ نسخۂ لاہور (عرشی) کے برعکس ان کے نسخے میں "مژگاں ہو گا" کے بجائے "مژگاں ہونا" درست لکھا گیا ہے۔ بس یہ ہے ان انتہائی معمولی اختلافات کی کل کائنات! ان "اختلافات" کے ضمن میں دو باتیں ذہن میں آتی ہیں۔ اوّل یہ کہ اگر مالِ مشکوک (یا مالِ مسروقہ) ہاتھ لگ جاتے تو اسے اپنا ثابت کرنے کے لیے اس میں ترمیم کرنا لازم ہوتا ہے۔ جس "فتنے دین" نے نسخۂ لاہور کے آخری ورق پر تقریظ کے خاتمے کے معاً نیچے بنے ہُوئے مزیّن چوکور کے اندر لگی ہوتی مدوّر مُہر کو چھپانے کے لیے اپنی چیپی (چٹ) لگا دی ہو[1] اس سے کیا بعید ہے کہ اس نے دو جگہ دو دو نقطے بڑھا دیے ہوں؛ "ہو گا" کے دو مرکزوں کو بلیڈ کے ساتھ بڑی نفاست سے کھرچ کر اور ایک نقطہ بڑھا کر "ہونا" کر دیا ہو اور جن مقامات پر کاتب نے ہندسی لفظ کے اُوپر عدد کی چند اشکال بنائی تھیں انھیں کھرچ دیا ہو۔ بدگمانی تو نہیں کرنی چاہیے مگر چونکہ تحقیقی و تدوینی معاملات میں بدقسمتی سے خود معین صاحب

---

[1] دیکھیے "نسخۂ لاہور" کے آخری صفحہ کا عکس جو اسی مقالے میں شامل کیا جا رہا ہے اور جس میں مدوّر مُہر صاف نظر آتی ہے۔

کی شہرت اچھی نہیں اس لیے بعید نہیں کہ یہ "کارِ خیر" انھی کے ہاتھوں انجام پایا ہو۔ آخر جو شخص رشید احمد صدیقی کے ساتھ اپنی تصویر جوڑ کر اُسے چھپوا سکتا ہو (دیکھیے "جدید اُردو غزل" ۱۹۸۷ء کا بیک ٹائٹل)، جو شخص پرتھوی چندر کی "جاگیرِ غالب" اپنے نام سے شائع کر سکتا ہو (دیکھیے سُورج کا غالب نمبر ۱۹۹۶ء) جو شخص اپنی ایم اے اُردو کی شاگرد وبشریٰ باسط کے مقالے "ادا جعفری ـــــ شخصیت اور شاعری" (۱۹۹۱ء) کا بیشتر حصہ اپنے نام سے "نقوش" میں چھپوا سکتا ہو (دیکھیے "نقوش" شمارہ ۱۳۹، ص ۶۶۳ تا ۷۳۹) اور اسی قبیل کے دیگر کئی افسوس ناک کام (جن کی تفصیل کبھی آئندہ) کر سکتا ہو، اُس سے بعید نہیں کہ زندگی کے کسی کمزور لمحے میں اس سے یہ ترا سیم بھی "سرزد" ہو گئی ہو! بس، خطا نمودہ اَم و چشمِ آفریں دارم، والا معاملہ ہے، معاملہ نہیں المیہ ہے۔

یہاں یہ سوال اُٹھانا بے محل نہ ہوگا کہ معین الرحمٰن صاحب کو یہ قلمی نسخہ کہاں سے ملا؟ خود معین الرحمٰن صاحب کا اِرشاد تو یہ ہے کہ انھیں یہ نسخہ ۱۹۸۱ء کے پس و پیش "پُرانی کتابوں کے ایک کاروباری" (ص ۵) سے مع ایک قلمی نسخے اور تین نادر مطبوعہ کتب کے، ہاتھ لگا۔ سوال یہ ہے کہ "پُرانی کتابوں کا یہ کاروباری" کون ہے؟ جب تک معین صاحب اس کی صراحت نہیں کرتے دیوانِ غالب کے نسخہ خواجہ کے بارے میں شکوک و شبہات کا اظہار فطرتاً کیا جاتا رہے گا بعض حلقوں نے یہ قیاس کیا ہے کہ معین صاحب کو یہ نادر نسخہ ایس ایم اکرام (م ۱۷ر جنوری ۱۹۷۳ء) کی لائبریری سے مِلا ہے جن تک یہ نسخہ ڈاکٹر سید عبداللہ کے توسط سے پہنچا، کیونکہ ڈاکٹر سید عبداللہ کی مولانا امتیاز علی عرشی کے علاوہ ایس ایم اکرام سے بھی اس نادر نسخے کے باب میں خط کتابت رہی تھی۔ ممکن ہے اکرام صاحب کے ملاحظے کے لیے سید صاحب نے یہ نسخہ انھیں روانہ کیا ہو اور پھر کسی وجہ سے وہاں سے واپس نہ

آسکا ہو۔ تا آنکہ معین الرحمٰن کو ایس ایم اکرام کی وفات کے بعد ان کی نجی لائبریری کی کتب کی فہرست سازی کا موقع ملا اور یوں یہ نادر نسخہ ان کے ہاتھ لگا۔ یہاں اس بات کی صراحت ضروری ہے کہ تخلیقِ پاکستان کے ابتدائی برسوں میں بعض قابلِ اعتماد حضرات کو، ایک اقرار نامہ (BOND) بھر کر دے دینے کے بعد یونیورسٹی لائبریری سے قلمی نسخہ جاری کر دیا جاتا تھا۔ یہ روایت کافی برس بعد تک بھی رہی۔ چنانچہ دیوانِ غالب کا نسخۂ شیرانی (قلمی) کئی بار حمید احمد خاں کے نام جاری ہوا چنانچہ اسی ضابطے کے تحت دیوانِ غالب کا زیرِ بحث قلمی نسخہ سید عبداللہ کی تحویل میں رہ کہ ایس ایم اکرام تک پہنچا ہوگا۔

میں نے دیوانِ غالب کے نسخۂ خواجہ کے باب میں متعدد اہلِ نظر[1] سے تبادلۂ خیالات کیا۔ سب کی متفقہ رائے تھی کہ نسخۂ خواجہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری لاہور ہی کے گم شدہ نسخے کا ظہورِ ثانی ہے۔ سب کی یہی رائے تھی کہ نسخۂ خواجہ، سید عبداللہ کے متعارفہ نسخے میں مبینہ فرق کی بنا پر، اس سے الگ نسخہ قرار نہیں دیا جا سکتا۔ یہ فرق محض اس لیے نظر آتا ہے کہ سید عبداللہ سے اس نادر نسخے کے اشعار کی گنتی میں غلطی ہوتی۔ میں نے اس ضمن میں پاکستان کے ممتاز ترین مخطوطہ شناس اور صاحبِ نظر محقق جناب خلیل الرحمٰن داؤدی سے استفسار کیا تو ان کا جواب یہ تھا کہ میرا پچاس برس کا مخطوطہ شناسی کا تجربہ مجھے بتاتا ہے اور میری یہ سوچی سمجھی رائے ہے (انھوں نے اس موقع پر انگریزی الفاظ "CONSIDERED OPINION" استعمال کیے تھے) کہ ڈاکٹر معین الرحمٰن صاحب کا متعارفہ نسخۂ دیوانِ غالب (نسخۂ خواجہ) عین مین اور ہو بہو وہی نسخہ ہے جس کا تعارف جولائی ۱۹۵۴ء کے ماہِ نو (کراچی) میں ڈاکٹر سید عبداللہ نے کرایا تھا اور جو بدقسمتی سے اب پنجاب یونیورسٹی لائبریری سے غائب ہو

---

[1] ان حضرات کے اسماء کا ذکر سرِ دست مناسب نہیں سمجھا گیا۔

چکا ہے۔

(۵) نُسخۂ خواجہ کے نُسخۂ پنجاب یونیورسٹی لائبریری ہونے کی ایک بڑی دلیل یہ ہے کہ نسخۂ خواجہ کے فولیو نمبر ۲۲ کا عکس دیکھیں تو جدول کا زیریں حصّہ صاف کھرچا گیا نظر آتا ہے۔ غالباً یہیں اِس نسخے کا ایکسیشن نمبر درج تھا۔ لائبریری سائنس کا علم رکھنے والے حضرات بخوبی جانتے ہیں کہ ہر لائبریری کی کتاب پر ایک متعین سیکرٹ پیج ہوتا ہے جہاں Acc. No لگایا جاتا ہے۔ یہ اس لیے کہ اگر کتاب چوری ہو جاتے تو اس کے سیکرٹ پیج پر لگے ایکسیشن نمبر کی بنیاد پر اس کی بازیافت ہو سکے۔ چنانچہ یہ عرض کرنا ضروری ہے کہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری کا سیکرٹ پیج از رُوتے ضابطہ ۲۲ ہے۔ اگلے صفحات میں نسخۂ خواجہ کے فولیو نمبر ۲۲ کا عکس پیش کیا جا رہا ہے۔

معین الرحمٰن صاحب نے رشید حسن خاں کے نام اپنے ایک خط میں نسخۂ خواجہ کو سیّد عبداللہ کے متعارف نسخے سے مختلف قرار دیتے ہوئے یہ موقف اختیار کیا ہے:

> "میرا احساس ہے کہ پنجاب یونیورسٹی [لائبریری] لاہور میں اُردو دیوانِ غالب کے دو خطّی نسخے رہے ہیں (یہ اب دونوں موجود نہیں)، ایک وہ جسے قاضی عبدالودود نے دیکھا اور جسے عرشی صاحب نے "نسخۂ لاہور" بتایا ہے ــــ اِس سے مختلف دُوسرا نسخہ وہ تھا جسے ڈاکٹر سیّد عبداللہ نے متعارف کرایا ہے۔"
>
> "نسخۂ خواجہ نسخۂ لاہور ہی نہیں ہے تو اس کا توأم تو ضرور ہے لیکن یہ سیّد عبداللہ کے نسخے سے مماثل مگر اس سے مختلف ہے۔"
>
> "نسخۂ خواجہ کے بارے میں میرا پختہ یقین ہے کہ یہ غالب کی

نظر سے گزرا ہے اور اگر یہ آپ کے ابتدائی اندازے کے مطابق
"عین مین نسخۂ لاہور ہی معلوم ہوتا ہے" تو پھر اس کے بارے
میں عرشی صاحب کا بھی مشاہدہ یہ ہے کہ اندرونی شہادت
ثابت کرتی ہے کہ اسے اوّل سے آخر تک میرزا صاحب نے
پڑھا ہے اور اکثر جگہ اغلاطِ کتابت کی اصلاح بھی کی ہے۔"
"مولانا امتیاز علی خاں عرشی مرحوم نے جن سات مقامات
پر غالبؔ کے قلم کی گواہی دی ہے وُہ ساتوں صُورتیں "نسخۂ
خواجہ" میں بھی من و عن موجود ہیں"۔[1]

مندرجہ بالا مکتوبِ معین کا یہ جُملہ قابلِ توجّہ ہے: "نسخۂ خواجہ نسخۂ لاہور ہی نہیں ہے تو اس کا توأم تو ضرور ہے" (ص ۵۷)۔ اِس جملے کا مطلب سوائے اِس اعتراف کے کچھ نہیں کہ یہ نُسخۂ لاہور ہی ہے۔ اب اگر ایک لمحے کو معین الرحمٰن صاحب سے اتفاق کرتے ہُوئے یہ بھی مان لیا جائے کہ نسخۂ لاہور (متعارفۂ عرشی) سیّد عبداللہ کے متعارفہ نسخے سے الگ کوئی نُسخہ ہے تو اتنی بات تو خود عرشی نے لکھی ہے کہ اِس نسخے کی نقل پنجاب یونیورسٹی لائبریری سے قاضی عبدالودُود کے ذریعے بصورت روٹوگراف انھیں فراہم کی گئی تھی۔ اس کا مطلب سوائے اس کے کیا ہے کہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری کا یہ نُسخہ، لائبریری سے کسی وقت چوری ہو کر یا کسی اور ذریعے سے معین الرحمٰن صاحب تک پہنچا۔ سوال یہ ہے کہ ایسی صُورت میں اس مشکوک (یا مسروقہ) مال کی خرید "پُرانی کتابوں کے ایک کاروباری سے" کس اصُول کے تحت کی گئی اور کیا اندریں حالات اس کا موجودہ مالک قانون کی گرفت سے بچ سکتا ہے؟

معین الرحمٰن صاحب کو چونکہ اصل صُورتِ حال کا علم ہے، اِسی لیے انھوں

---

[1] "دیوانِ غالب، نسخۂ خواجہ ـــ تجزیہ و تحسین"، ص ۵۷

نے پنجاب یونیورسٹی کے سابق وائس چانسلر ڈاکٹر خالد حمید شیخ کو" پنجاب یونیورسٹی سے اپنے دیرینہ تعلق کی بنا پر"، "ایک ذرا سی شرط کے ساتھ" "ضمانت حاصل کرنے کے بعد"، یہ قلمی نسخہ ہدیہ کرنے کی پیش کش کی تھی تاکہ یہ گم شدہ نسخے کی جگہ لے سکے۔" ذرا سی شرط" یہ لگائی ہے کہ یونیورسٹی لائبریری میں اِس نسخے کی حفاظت کا کوئی مستقل انتظام فرمایا جائے" تاکہ یہ پچھلے نسخوں کی طرح معدوم یا ضائع نہ ہو جائے [1]"

ڈاکٹر صاحب کی اس پیش کش پر قربان ہونے کو جی چاہتا ہے۔ ان سے پوچھا جائے کہ حضرت! اگر نسخۂ خواجہ اصلاً دیوانِ غالب کا نسخۂ لاہور ہی ہے جیسا کہ خود آپ نے خواہی نخواہی اعتراف کیا ہے تو کیا آپ میں اتنی اخلاقی جرأت ہے کہ آپ اسے ہدیے کے طور پر نہیں، سرقے کے کفارے کے طور پر یا کم از کم امانت سمجھ کر پنجاب یونیورسٹی لائبریری کو لوٹا دیں تاکہ یہ متاعِ بُردہ [2] وہیں پہنچ جائے جہاں سے کسی دستِ گستاخ نے اُچک لیا تھا یا کسی مَردِ نفیس نے اسے ملاحظے کے لیے مستعار لیا تھا مگر اسے واپس نہ کر سکا؟

(۲)

دیوانِ غالب نسخۂ خواجہ کی تدوین و تحقیق مرتب کے بقول ان کی برسوں کی محنت کا حاصل ہے۔ فرماتے ہیں :

"دیوانِ غالب نسخۂ خواجہ کی بازیافت کو میں خود بھی اپنے کاموں میں اہمیت دیتا ہوں۔ اس کی تدوین و تحقیق میں مجھے بندرہ سترہ

---

[1] اس پیش کش کی تفصیل کے لیے دیکھیے : "دیوانِ غالب، نسخۂ خواجہ ۔ تجزیہ و تحسین" ص ۳۱۹ تا ۳۲۱۔

[2] یہ ترکیب غالب ہی کے ایک مصرعے کی یاد دلاتی ہے : متاعِ بردہ کو سمجھے ہوئے ہیں قرض رہزن پر۔

برس لگے[۱۵]

نسخۂ خواجہ کے دیباچے میں ارشاد ہوتا ہے :

"متنی تحقیق و تدوین کا یہ کام برسوں کی ریاضت اور محنت کے بعد پایۂ تکمیل کو پہنچا۔" (ص ۷)

آگے چل کر فرماتے ہیں :

"ان سب معاملات و مراحل پر اب پلٹ کر نظر ڈالتا اور غور کرتا ہوں تو حیرت ہوتی ہے اور باور نہیں آتا کہ دیدہ ریزی اور سوزن کاری کا یہ مشکل کام برسوں کے رتجگوں، اپنی کمزور صحت اور دوسری ذمہ داریوں کے ساتھ کیونکر مجھ سے بن آیا؟ یہ شاید عشق، شغف، اور لگن ہی ہے جس کے بل پر دنیا میں ان ہونے کام ہوتے ہیں۔"

(ص ۸)

اِن ادّعائی بیانات اور شاعرانہ تعلّیوں کے بعد جب ہم دیوانِ غالب نسخۂ خواجہ (جو اصلاً نسخۂ لاہور ہی ہے) کے دیباچے اور مدوّنہ متن پر نگاہ ڈالتے ہیں تو قدرتاً مایوسی ہوتی ہے۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ مرتب موصوف بڑی عجلت میں تھے۔ انھوں نے عکسی متن کے بالمقابل ہر صفحے کے اشعار کو جدید کتابت میں بھی لکھوا کر شایع کیا ہے تاکہ جو لوگ قدیم خط سے مانوس نہیں وہ بھی دیوان کو بہ سہولت پڑھ سکیں اور اس کے مطالب سے واقف ہو سکیں مگر افسوس یہ ہے کہ وہ نہ تو قلمی نسخے کا متن زیادہ توجہ سے دیکھ پائے اور نہ اس کی اطمینان بخش بازنوشت (Transcription) ہی کر سکے۔ ان کے سامنے دیوانِ غالب کی متنی تدوین کے کسی قدر اچھے نمونے نسخۂ عرشی اور نسخۂ حامد علی خاں کی شکل میں موجود تھے اور انھوں نے اِن پیشرو تدوینی کارناموں سے فائدہ بھی اُٹھایا، پھر بھی اُنھوں نے جا بجا ٹھوکریں کھائی ہیں۔

---

[۱۵] دیوانِ غالب، نسخۂ خواجہ ۔ تجزیہ و تحسین، ص ۳۰۰

معین الرحمٰن صاحب کے ساتھ مشکل یہ ہے کہ وہ موزوں طبع نہیں ایسا شخص جو مصرع وزن میں نہ پڑھ سکتا ہو اسے کم از کم تدوینِ متنِ شعر سے حتی الوسع گریز کرنا چاہیے' دیوانِ غالب کے نسخۂ خواجہ کی متنی تحقیق و باز نوشت کے ضمن میں ان کا ماڈل عرشی کا مرتبہ دیوانِ غالب (طبع ثانی) رہا ہے مگر اس کی اندھا دُھند تقلید سے (خصوصاً رموزِ اوقاف کے باب میں) تدوین کے تقاضے مجروح ہوتے ہیں اور بعض جگہ خبط مفہوم کی صورتیں پیدا ہو گئی ہیں۔ ان کے تیار کردہ نثری متن میں بھی تسامحات ہیں' اصناف وار کلامِ غالب کی توقیت کے ضمن میں پیش کردہ مصرعوں' توضیحات و تعلیقات میں بھی اور فارسی متن کے اُردو ترجمے میں بھی۔ جہاں کہیں فلاّ بیگن کا اہتمام لازمی تھا وہاں کہیں بھی ایسا اہتمام نظر نہیں آتا۔ ہم سب سے پہلے شعری متن کی باز نوشت (Transcription) میں ان سے ہونے والی غلطیوں نیز کتابت کی خامیوں کا گوشوارہ پیش کرتے ہیں :
(پہلا عدد صفحے کو' دُوسرا شعر نمبر کو اور تیسرا مصرعے کو ظاہر کرتا ہے۔)

صفحہ	شعر نمبر	مصرع نمبر	غلط/ناقص	صحیح
۹	۱۰	۱	چراغاں آبجو	چراغاںِ آبجو (یہ ترکیب ہے)
۱۳	۸	۱	ترے وعدے پہ	ترے وعدے پر
۱۵	۱۲	۲	دوام، کلفتِ خاطر	دوامِ کلفتِ خاطر
۱۸	۲	۱	صیقل آئینہ ہنوز	صیقلِ آئینہ ہنوز
۲۰	۳	۲	دلِ آزر دگاں کا	دِل آزر دگاں کا
۲۲	۹	۲	عرش سے اِدھر ہوتا	عرش سے اُدھر ہوتا
۲۹	۳	۲	قدم پیشیر	قدم پیشتر
۴۰	۱۱	۱	قویٰ	قوٰی
۴۲	۷	۲	مہرِ گیا	مہر گیا
۴۵	۱۱	۱	خط ایک اور	خط اِک اور

صفحہ	شعر نمبر	مصرع نمبر	غلط/ناقص	صحیح
۴۹	۷	۲	سَیلِ اُستاد	سیلِ اُستاد
۵۱	۴	۲	یا بہ حنا	پا بہ حنا
۵۹	۴	۲	بہشت	بہشت
۶۳	۳	۱	سَیلی	سیلی
۶۸	۹	۲	سینکڑوں	سیکڑوں
۷۶	۱۰	۲	اگر بودے	اگر بودے
۷۶	۱۳	۱	اِس خیمے کے پیچھے	اس کے خیمے کے پیچھے
۷۷	۱۲	۲	کوَدکی	کوُدکی
۷۸	۳		[اصل متن سے شعر کی بازنوشت نہیں کی گئی۔ شعر اگلے کالم میں دیکھیں]	ہو کر شہیدِ عشق میں پائے ہزار جسم ہر موجِ گردِ راہ مرے سر کو دوش ہے
۷۹	۳	۱	گریہ نکالے ہے تری بزم سے[1]	گریہ نکالے ہے تیری بزم سے
۸۰	۱۰	۱	دلِ ناداں	دلِ نالاں
۸۱	۶	۲	کسی	کسو
۸۳	۱۳	۲	ہماری جَیب	ہمارے جَیب
۸۸	۳	۱	ہو جو	ہُو جو
۸۹	۷	۱	عیادت کو تم آتے	عیادت کو تم آتے ہو
۸۹	۷	۲	طالع بیدارِ بستر	طالِعِ بیدارِ بستر
۹۰	۵	۱	نہ ہووے	نہ رہوے

---

[1] شاید عرشی کی تقلید میں "تیری" کو "تری" لکھا اور مصرع وزن سے خارج ہوگیا۔ دیکھیے نسخۂ عرشی ص ۲۶۴

صفحہ	شعر نمبر	مصرع نمبر	غلط / ناقص	صحیح
۹۴	۷	۲	سررشتۂ سلاست	سررشتۂ سلامت
۹۶	۶	۲	بَرقِ نظّارہ سوز	برقِ نظارہ سوز
۱۰۱	۱۱	۱	بنا دیں	بناؤ ہیں
۱۰۴	۱۱	۲	تجمل حسیں خاں	تجمل حسین خاں
۱۰۵	چوتھی سطر		علیہ التحیّہ	علیہ التحیّتہ
۱۰۶	۱	۱	لعل سی کی ہے	لعل سے کی ہے
۱۰۶	۵	۲	مِروَحۂ بالِ پَری	مِروَحۂ بالِ پری
۱۰۷	۱۰	۲	آئینہ	آئنہ
۱۰۸	۱۲	۱	آستاں پہ ہے تِرے	آستاں پر ترے ہے
۱۱۶	چودھویں سطر		چمن سرایہ کردن گفتار بتائش کلکتہ	چمن سرایہ کردنِ گفتار بستایش کلکتہ
۱۱۷	۱۰	۱	مشابہہ	مشابہ
۱۱۸	۷	۱	فلک منظرِ بے شل و نظیر[۱]	فلک منظر و بے مثل و نظیر
۱۱۸	۱۱	۲	داغِ نہِ ناصیہ	داغ نہ ناصیہ

نسخۂ خواجہ کے بارے میں سید معین الرحمٰن صاحب کا عرشی کی تقلید میں یہ موقف

---

[۱] "فلک منظرِ بے شل و نظیر" غلط نہیں مگر غالب نے اِس شعر کے دُوسرے مصرعے میں دو عطفوں کا اہتمام کر کے آہنگ کی تاثیر میں جو اضافہ کیا تھا وہ پہلے مصرعے میں اضافت لگانے سے کم ہو جاتا ہے۔ نسخۂ عرشی و حامد میں اضافت ہی کے ساتھ ہے مگر نسخۂ خواجہ کے متن میں ذیل کی شکل میں ہے اور یہی مرجح ہے:

اے شہنشاہِ فلک منظر و بے مثل و نظیر
اے جہاندارِ کرم شیوہ و بے شبہ و عدیل ، ص ۱۱۸

ہے کہ اس پر خود غالب نے اپنے قلم سے اصلاحیں کیں، اس کے باوجود کتابت کی متعدد اغلاط سے ان کی نگاہ چوک گئی۔ ایسی بعض غلطیوں کی نشاندہی عرشی نے بحوالۂ نسخۂ لاہور کر دی تھی۔ مزید اغلاط کی نشاندہی نسخۂ خواجہ کے مرتب نے کی ہے مگر اس کے باوجود بہت سی اغلاطِ متن پر ان کی نگاہ نہیں گئی۔ ملاحظہ فرمائیے:

صفحہ	شعر نمبر	مصرع نمبر	غلط/ناقص	صحیح
۶	۱۲	۲	کلدستہ	گلدستہ
۶	۱۲	۲	باغ نسیاں	طاقِ نسیاں
۷	۵	۲	ہیولی	ہیولیٰ
۹	۱۳	۱	ناکہاں	ناگہاں
۱۰	۷	۲	کفِ سیلاب کا	کفِ سیلاب تھا
۱۵	۶	۱	کر نگاہِ گرم	گہ نگاہِ گرم
۱۹	۹	۱	تیرے وحشی کو	ترے وحشی کو
۱۹	۹	۲	کچھ ایک رنجِ گرانباری	کچھ اک رنجِ گرانباری
۲۷	۶	۲	کفتارِ دوست	گفتارِ دوست
۳۲	۱	۲	ہوتی رواں اور	ہوتی ہے رواں اور
۳۴	۳	۱	ستمکش	ستم کش
۳۵	(تزک)		جکر تشنہ	جگر تشنہ
۴۷	۱۱	۱	ہر ایک تیز رَد کے ساتھ	ہر اک تیز رَد کے ساتھ
۸۹	۱۱	۱	خطر ہے رشتۂ الفت	خطر ہے رشتۂ اُلفت
۹۱	۸	۲	گر گئی	کر گئی
۹۶	۱	۲	طرہ لیلا	طرّۂ لیلا
۸۲	۱۱	۲	ذرا	زرا

۱۰۲ : ۵ : ۲   می کلفامؔ   مَے گلفام

تدوینِ متنِ شعر میں مرتّب نے غالب کے منشائے املا کو پیشِ نظر رکھا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انھوں نے مصرعِ غالب : بالِ تذرو جلوۂ مَوجِ شراب ہے، میں "بالِ تذرو" کو غالب کے منشاء کے مطابق "بالِ تذرو" لکھا ہے مگر مرتّب کے ساتھ مشکل یہ ہے کہ وہ غالب کے تصوّراتِ لُغت و املاء سے زیادہ واقف معلوم نہیں ہوتے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ "تذرو" کو تو "تذرو" لکھتے ہیں کہ غالب کے نزدیک "تذرو" "تدرو" کا معرّب ہے (دیکھیے "قاطع برہان" مرتّبہ قاضی عبدالودود ص ۵۹) لیکن یہ بھول جاتے ہیں کہ اسی "قاطعِ بُرہان" میں انھوں نے آذر (آتش) کو "آدر" لکھا ہے اور قطعی انداز میں کہا ہے کہ "آذر بذالِ منقوطہ زنہار نیست (قاطع، ص ۱۴) اس کے باوجود مرتّب موصوف نے غالب کے اِس مصرع :

ہے عارِ دل، نفس، اگر آدر فشاں نہیں، میں آدر کو "آذر" لکھا ہے حالانکہ ان کے مُرشد، عرشی نے اِس موقع پر "آدر" ہی لکھا ہے۔ (دیکھیے نسخۂ عرشی ص ۲۳۲) مُراد یہ ہے کہ مرتّب کہیں تو غالب کے منشائے املا کی پیروی کرتے ہیں اور کہیں اس سے انحراف۔ اصل متن میں تین مقامات پر جہاں لفظ "ذرا" آیا ہے، لکھتے ہیں کہ کاتب کو منشائے غالب کے مطابق "ز" لکھنا چاہیے تھی لیکن خود اپنا یہ حال ہے کہ تینوں مقامات پر بازنوشت کرتے ہوئے "ذرا" ہی لکھا ہے۔ دیکھیے نسخۂ خواجہ <u>۸۲ : ۱۱ : ۱</u> ، <u>۸۹ : ۴ : ۲</u> ، <u>۹۴ : ۳ : ۲</u> بازنوشت کے صفحہ ۱۰۶ کے ساتویں شعر کا مِصرع ملاحظہ فرمایئے : ذرّہ اس گرد کا خرشید کو آئینۂ ناز۔ اِس ایک مِصرعے کا طرزِ املا ہی مرتب کے تذبذب اور تضاد کو نمایاں کرنے کے لیے کافی ہے۔ "ذرّہ" تو منشائے غالب کے خلاف ذال ہی سے لکھا ہے مگر "خرشید" غالب کے تتبع میں بغیرِ واؤ لکھا ہے۔ ص ۸۱ کے چھٹے شعر کا دُوسرا مِصرع یوں لکھا ہے : "جس طرح کا کہ کسی میں ہو کمال اچھا ہے" جبکہ اسی مقام کے عکسی متن میں

ل گ کا اُوپر والا مرکز جگہ جگہ سے غائب ہے۔ کہاں تک نشاندہی کی جائے۔

"کسی" کی جگہ "کسو" ہے۔ قاری سمجھتا ہے کہ مرتب نے "کسو" کو "کسی" اِس لیے لکھا ہوگا کہ "کسو" متروک ہو چکا ہے مگر اسے سخت حیرت ہوتی ہے جب وہ صفحہ ۱۱۹ پر غالب کے ایک مشہور مصرعے کی باز نوشت ہرگز کبھی کسو سے عداوت نہیں مجھے' کی صورت میں دیکھ کر "کسو" سے دوچار ہوتا ہے[1] ! متروکاتِ املاء کے ضمن میں مرتب اور بھی کئی مقامات پر اسی تذبذب اور تضاد کا شکار نظر آتے ہیں۔ صفحہ ۵۷، پر مشہور غزل "پھر کچھ اِک دل کو بے قراری ہے" کی نقل حرفی کرتے ہوتے لفظ "وہی" کو دو مقامات پر "دوہی" اور دو شعر بعد اسی لفظ کو "وہی" لکھا ہے بایں صورت :

دوہی صد رنگ نالہ فرسائی   دوہی صد گونہ اشک باری ہے
پھر اسی بے وفا پہ مرتے ہیں   پھر وہی زندگی ہماری ہے

بظاہر ایسا لگتا ہے کہ مرتب نے اصل متن کی پیروی کرتے ہوتے دو جگہ "وہی" کو "دوہی" لکھا ہے مگر اس قیاس میں ترمیم یوں لازم آتی ہے کہ اسی غزل کے اگلے دو شعروں کے بعد "وہی" کو "وہی" لکھا ہے حالانکہ عکسی متن میں اس مقام پر بھی کاتب نے "دوہی" لکھا تھا "پھر دوہی زندگی ہماری ہے"۔ دیوانِ غالب نسخۂ حامد علی خاں اور دیوانِ غالب نسخۂ عرشی میں بھی اِن دو مقامات پر لفظ "وہی" کو "دوہی" لکھا گیا ہے لیکن یہ کیا ضروری ہے کہ مرتب کم و بیش ہر جگہ عرشی ہی کی پیروی کو اپنا وظیفہ بنالیں[2]۔ ایک اور مثال لفظِ "جیب" کی ہے ص ۵۳

---

[1] یا مثلاً ؎ جب توقع ہی اُٹھ گئی غالب۔ کیوں کسو کا گلا کرے کوئی، ص ۹۷

[2] پیچھے میں نے "کسو" اور "کسی" کے ضمن میں نسخۂ خواجہ سے جو مصرع درج کیا تھا یعنی : جس طرح کا کہ کسی میں ہو کمال اچھا ہے' اُس میں بھی "کسو" کی جگہ "کسی" اسی لیے آیا ہے کہ نسخۂ عرشی میں بھی "کسی" مرقوم ہے۔ دیکھیے دیوانِ غالب (نسخۂ عرشی) ص ۳۱۸۔

پر اسے "ہمارے جَیب" لکھا ہے اور درست لکھا ہے :

یعنی ہمارے جَیب میں اِک تار بھی نہیں

مگر تیس ۳۰ صفحے بعد "ہمارے جَیب" کی جنس بدل کر "ہماری جَیب" ہوگئی اور یوں شعر کے معانی خبط ہو گئے :

؎ چپک رہا ہے بدن پر لہو سے پیراہن ۔ ہماری جیب کو اب حاجتِ رفو کیا ہے؟
ص ۸۳ ۔

واضح رہے کہ اِس موقعے پر حامد و عرشی دونوں کے نسخوں میں "ہمارے" لکھا گیا ہے اور یہی صحیح ہے، دیکھیے دیوانِ غالب نسخہ حامد ص ۱۴۶ ، نیز دیوانِ غالب نسخۂ عرشی ص ۳۲۲ ۔ عرشی نے خوب نشاندہی کی ہے کہ غالب کا مندرجہ بالا اُردو شعر ان کے ذیل کے فارسی شعر کی یاد دلاتا ہے ۔ (میرے خیال میں یہ شعر لفظِ جَیب کی وضاحت بھی کرتا ہے)

؎ بہ تن چسپید بازم از نمِ خونابہ پیراہن
خراشِ سینہ ، سطرِ بخیہ شد چاکِ گریباں را

میں عرض کر چکا ہوں کہ دیوانِ غالب نسخۂ خواجہ کے متن کی بازنوشت میں مولانا امتیاز علی عرشی' معین صاحب کے لیے نمونۂ تقلید بنے ہیں۔ عرشی کے مرتبہ دیوانِ غالب کو متنی تحقیق کی یقیناً ایک عمدہ کاوش قرار دیا جاسکتا ہے مگر اس میں اوقاف خصوصاً واو مقلوب (') کی بھرمار سے بعض جگہ قاری سہولت کے بجائے اُلجھن کا شکار ہو جاتا ہے۔ معین صاحب کے یہاں چند جگہوں کو چھوڑ کر ہر جگہ عرشی کی چشم بستہ تقلید کے شواہد ملتے ہیں ۔ اوقاف کا اہتمام نسخہ حامد علی خاں میں بھی کیا گیا ہے مگر وہاں توازن کا احساس ہوتا ہے اور یہاں تذبذب کا۔ حد تو یہ ہے کہ بعض جگہ ایک مصرعے کے دو ایسے لفظوں کے بیچ بھی اُلٹا واؤ حائل ہو گیا ہے جہاں ساتھ عطف بھی آتا ہے مثلاً :

وائے محرومیِ تسلیم ، و بدا ! حالِ وفا۔

حال آنکہ یہاں صاف : داتے محرومیِ تسلیم و بدا حالِ وفا ، ہونا چاہیے تھا۔
یا مثلاً صفحہ ۸۷ پر ایک شعر کی قرآت میں اُلٹا واؤ اِس طرح مزاحم ہُوا ہے:
تکلفِ خرامِ ساقی ، و ذوقِ صدائے چنگ
اسی طرح کی صوُرتِ حال ص ۹۹ ، ص ۱۰۰ ، ص ۱۰۶ اور ص ۱۰۷ پر ہے جس سے
مصرعوں کی روانی کو سخت دھچکا لگتا ہے :

(i) دِل مدّعی ، و دیدہ بنا مدّعا علیہ
(ii) غفلت کفیلِ عمر ، و اسد ضامن نشاط
(iii) یک طرف نازشِ مژگان ، و دگر سوُ غمِ خار
(iv) لافِ دانش غلط ، و نفعِ عبادت معلوم

بعض جگہ واوین کا غیر ضروری اور بے محل اہتمام کیا گیا ہے مثلاً صفحہ ۸۲ کی ایک غزل
کے مطلع میں واوین کا یوں اہتمام کیا ہے :

"شکوے کے نام سے 'بے مہر خفا' ہوتا ہے"

یہ واوین اور بعد کے مقلوب واؤ قطعاً بے محل ہیں۔ حامد و عرشی نے بھی اِس موقعے
پر واوین نہیں لگاتے۔ اِسی صفحے پر درج پہلی غزل کے دُوسرے شعر کے مصرع اوّل
پر بھی واوین کو خواہ مخواہ زحمت دی گئی ہے :

قضا نے تھا مجھے چاہا "خرابِ بادۂ الفت"

یہاں "خرابِ بادۂ الفت" کو آزاد رکھا جاتا تو بہتر تھا۔ اِس موقع پر حامد و عرشی نے
بھی واوین کا التزام نہیں کیا۔ (دیکھیے نسخۂ حامد ، ص ۱۴۴ ، نسخۂ عرشی صفحہ ۲۹۷)۔
ایک مثال اور۔ ص ۲۰ پر مصرع ہے : کہتے ہیں "اگلے زمانے میں کوئی میر بھی تھا" یہاں
بھی واوین غیر ضروری ہیں۔

تقلیدِ جامد سے متن و معنی کی سطح پر کیا خرابیاں پیدا ہوتی ہیں۔ اس کی مثال میں
صرف تین مثالیں ہی کفایت کریں گے : نسخۂ خواجہ کے ص ۸۷ پر غالب کی ایک غزل کے
تیرہ شعروں کی باز نوشت کی گئی ہے جبکہ عکسی متن میں شعروں کی تعداد چودہ ہے ۔

جو شعر درج ہونے سے رہ گیا، وہ ہے: "ہو کر شہید عشق میں ...... الخ" یہ شعر چھوٹ اِس لیے گیا کہ عرشی کے نسخے میں ص ۳۰۲ پر جہاں یہ غزل درج ہے وہاں بھی اشعار کی تعداد تیرہ ہے اور نشان زد شعر اس میں شامل نہیں۔ سبب اس کا یہ ہے کہ "ہو کر شہید عشق میں ...... الخ" والا شعر نسخۂ عرشی کے پہلے حصّے "گنجینۂ معنی" میں بصورتِ فرد درج ہُوا ہے (دیکھیے نسخۂ عرشی ص ۱۲۴) کیونکہ توقیتی ترتیب میں یہ "گنجینۂ معنی" ہی میں شامل ہو سکتا تھا، "نوائے سروش" میں نہیں۔ چونکہ معین صاحب کے چشم و گوش "نوائے سروش" پر لگے تھے اِس لیے وہ گنجینۂ معنی کے فرد سے بے نیاز رہے۔ دُوسری مثال غالب کے قصیدۂ راتیہ کے ایک شعر کی ہے جو نسخۂ عرشی (ص ۱۴۸) میں بصورتِ ذیل درج ہے:

لعل سی، کی ہے پئے زمزمۂ مدحتِ شاہ
طوطیِ سبزۂ کہسار نے پیدا، منقار!

معین صاحب نے بھی اِس شعر کو من و عن اِسی طرح درج کر دیا ہے یعنی "لعل سے کی ہے" کے بجائے "لعل سی، کی ہے ...... الخ" لکھا ہے۔ نسخۂ بھوپال اور نسخۂ حمیدیہ (اوّل) دونوں میں "لعل سے کی ہے .... الخ" درج ہے۔ نسخۂ حمیدیہ دوم (مُرتّبہ: پروفیسر حمید احمد خاں) میں بھی "لعل سے کی ہے ... الخ" مندرج ہے۔ نسخۂ حامد علی خاں میں بھی "لعل سے کی ہے"۔ .... ضبط ہُوا ہے۔ میری رائے میں بھی "لعل سے کی ہے .... الخ" ہی کا محل تھا۔ شعر کا مفہوم واضح ہے۔ شاعر کہہ یہ رہا ہے کہ مدحتِ شاہ (یعنی مدحِ حضرتِ علیؓ) کے لیے کہسار کے سبزے نے کہ اپنے سبز رنگ کے باعث اسے طوطی فرض کیا جا سکتا ہے، اپنی چونچ لعل سے تراشی ہے۔ لعل سے مُراد سُرخ رنگ کے پھُول ہیں۔ اگر ہم "لعل سی منقار پیدا کی ہے" کہیں تو یہ ایک پامال اور بے معنی بات ہو گی اِس لیے کہ لعل سی منقار تو عام طور پر سب طوطیوں کی ہوتی ہے۔ طوطیِ سبزۂ کہسار کی کیا تخصیص رہی؟ "پیدا" کا لفظ یہاں گواہی دے رہا ہے کہ طوطیِ سبزۂ کہسار کو یہ سُرخ چونچ ایسے ہی میسّر نہیں آ گئی۔ اس کے لیے اُسے

کوہسار کا سینہ شق کرنا پڑا ہوگا۔ تب چھپے لعل سے اپنی منقار پیدا کی۔

تیسری مثال ص ۱۰۱ پر درج اِس مصرع کی ہے: اِک خونچکاں کفن میں کڑوڑوں بناؤ ہیں۔ یہاں "کڑوڑوں" سماعت پر سنگ باری کرتا ہے۔ مگر ہونے دیں کیونکہ عرشی نے بھی "کڑوڑوں" لکھا ہے۔ (ص ۳۲۴) سوال یہ ہے کہ کیا "کڑوڑوں" بھی غالب کے منشائے املا کے مطابق ہے؟ اگر ہے بھی تو اس کا ترک لازم تھا کہ یہ کرخت بھی ہے اور غلط العوام بھی۔

نسخۂ خواجہ کے متن کو عام طور پر مرتّب نے ضبط کیا ہے مگر قریباً ہر جگہ معیار نسخۂ عرشی ہی کو بنایا ہے۔ عرشی صاحب کی ترتیبِ متن کی داد کون نہ دے گا مگر ہر جگہ اسی کا تتبع، جیسا کہ پیچھے کہہ آیا ہوں، مناسب نہیں۔ چنانچہ نسخۂ خواجہ میں چند مقامات ایسے بھی نظر آئے جہاں اضافت کا اِلتزام زیادہ فصیح تھا مگر چونکہ عرشی نے ایسا نہیں کیا سو معین صاحب نے بھی نہیں کیا مثلاً معین صاحب نے ایک مِصرع یوں ضبط کیا ہے: بعدِ یک عمر وَرع، بار تو دیتا، بارے، (ص ۱۷)۔ میرے خیال میں یہاں "بعدِ یک عمرِ وَرع" کا محل تھا۔ عرشی کے یہاں بھی "عمر" بغیر اضافت ہے۔ (ص ۱۸۵)۔ پھر نسخۂ خواجہ کے متن میں کہیں کہیں اِستفہامیہ (؟) کا اِستعمال ضروری تھا مگر ایسا نہیں ہو سکا، مثلاً ذیل کا مِصرع دیکھیے:

تو مجھے بھول گیا ہو، تو پتا بتلا دوں

(اوّل تو یہاں "ہو" کے بعد واوِ معلوب کا کوئی جواز نہ تھا، مزید ستم یہ کہ "دوں" کے بعد استفہامیہ (؟) نہیں لگایا گیا)

یا مثلاً ذیل کے پہلے شعر کے دُوسرے مصرعے کے آخر میں اور اگلے شعر کے پہلے مِصرعے کے آخر میں سوالیہ نشان کا ہونا ضروری تھا:

(۱) ~ قیامت ہے کہ سن لیلیٰ کا دشتِ قیس میں آنا
تعجب ہے وہ بولا "یوں بھی ہوتا ہے زمانے میں"

(۲) ہے ہے ، خدا نخواستہ وہ اور دشمنی!
اے شوقِ منفعل، یہ تجھے کیا خیال ہے

تدوینِ متن کا یہ مسلّمہ اصول ہے کہ اگر اصل متن میں کوئی لفظ رہ جائے تو اُس متن کی باز نوشت کرتے وقت رہ جانے والا لفظ قُلّابین [ ] میں لکھا جائے۔ نسخۂ خواجہ میں مرتّب نے اس کا کوئی اہتمام نہیں کیا۔ مثالیں حاضر ہیں۔ قُلّابین لگاکر چھوٹ جانے والے لفظوں کی نشاندہی کی جارہی ہے :

؎ نہ ہو بہ ہرزہ بیاباں نوردِ وہمِ وجُود
ہنوز تیرے تصوّر میں [ہے] نشیبِ فراز (ص ۳۴)

؎ غمِ ہستی کا اسدؔ کس سے ہو [جز] مرگ، علاج
شمع ہر رنگ میں جلتی ہے سحر ہوتے تک (ص ۳۸)

؎ ہستی [کا] اعتبار بھی غم نے مٹا دیا
کس سے کہوں کہ داغ، جگر کا نشان ہے (ص ۶۳)

؎ رحم کر ظالم [کہ] کیا بُودِ چراغِ کشتہ ہے
نبضِ بیمارِ وفا دُودِ چراغِ کشتہ ہے (ص ۶۶)

؎ سبزۂ نہ چمن [و] یک خطِ پشتِ لبِ بام
رفعتِ ہمتِ صد عارف و یک اَوجِ حصار (ص ۱۰۶)

؎ نامے کے ساتھ آگیا پیغامِ مرگ
رہ گیا خط [میری] چھاتی پر کھلا (ص ۱۱۵)

؎ شاہ [کے] آگے دھرا ہے آئنہ
اب مآلِ سعیِ اسکندر کھُلا (ص ۱۱۶)

نسخۂ خواجہ کے بہرۂ رُباعیات میں غالب کی وہ مشہور رُباعی بھی شامل ہے جس کا پہلا مصرع یہ ہے : دُکھ جی کے پسند ہوگیا ہے غالبؔ، اِس رُباعی کے دُوسرے مصرعے میں غالب سے ایک عروضی تسامح ہُوا ہے یعنی اس میں ایک

سببِ خفیف زائد ہے :

دِل رُک رُک کر بند ہو گیا ہے غالب ۔ مرتب نے اِس مصرعے کو اختلافی قرار دیا ہے حالانکہ یہ مصرع بداہتہً رُباعی کے مسلّمہ اوزان سے خارج ہے (ر۔ک "رموزِ غالب" (گیان چند)، ص ۲۶۴-۲۶۵)

تدوینِ نسخۂ خواجہ کے باب میں یہ بات بھی قابلِ توجہ ہے کہ اس سے فہرستِ اشعار غیر حاضر ہے، جس کے باعث قاری سخت اُلجھن کا شکار رہتا ہے۔

تدوینِ متن پر گفتگو ہو چکی۔ آئیے اب نسخۂ خواجہ کے دیباچے کی طرف ایک بار پھر لوٹتے ہیں۔ معین صاحب کو "پُرانی کتابوں کے ایک کاروباری" سے جو دو قلمی نُسخے مِلے ان میں ایک فارسی مخطوطہ "معارج النبوۃ" ہے جس کا سنہ اُنھوں نے ۱۴۸۶ درج کیا ہے حالانکہ یہ بات معلوم ہے کہ قلمی نسخوں پر شمسی نہیں قمری سال درج ہونا چاہیے تھا یا پھر دونوں سنین کا اندراج کیا جانا چاہیے تھا۔ حیرت یہ ہے کہ مرتب نے "معارج النبوۃ" کے مصنف کا نام مُلّا معین الدین واعظ الکاشفی[1] لکھا ہے جبکہ مصنف کا نام مُلّا معین الدین فراہی ہے۔ پھر مُلّا معین الدین کی وفات کا سنہ ۱۵۰۱ درج کر دیا ہے حالانکہ اس کا سالِ وفات متعین نہیں۔ اس کی وفات ۹۰۷ تا ۹۱۰/۱۵۰۱ سے ۱۵۰۴ء کے دوران کسی وقت ہوئی[2]۔

دیوانِ غالب نسخۂ خواجہ (جو اصلاً نسخۂ لاہور ہی ہے) میں اشعار کی کل تعداد کے ضمن میں فرماتے ہیں :

"اصلاً متن کے اشعار کی قطعی تعداد ۱۵۴۸ بنتی ہے۔ قطعات کے

---

[1] جناب شمس الرحمٰن فاروقی ان سے بھی چار ہاتھ آگے نکل گئے اور اس کتاب کا پورا پورا انتساب مُلّا حسین واعظ کاشفی سے کر دیا۔ دیکھیے :
"قومی زبان" (کراچی) کا شمارہ فروری ۲۰۰۰ء (ص ۱۷)

[2] میں ان قیمتی معلومات کے لیے جناب خلیل الرحمٰن داؤدی کا ممنون ہوں۔

منظوم فارسی عنوانات کو شامل کر لیا جائے تو اشعار کی مجموعی تعداد
۱۵۵۰ سے کچھ اُوپر بن جاتی ہے۔"

معین صاحب کی یہ بے خبری نہایت قابلِ افسوس ہے۔ اِس بے خبری کا نتیجہ ہے کہ وہ نثر کی مقفّیٰ عبارات کو منظوم عبارات سمجھ بیٹھے۔ کیا یہ المیہ نہیں کہ کسی شعری مخطوطے کی تدوین کرنے وہ شخص جا رہا ہے جو نثر اور شعر میں امتیاز کرنے سے قاصر ہے۔ مرتب نے جن عنوانات کو منظوم قرار دیا ہے وہ یہ ہیں:

(۱) قطعہ در نمایشِ عنوانِ دلآویزیِ گفتار
و آسان کردنِ اندوہِ پشیمانی بر دلِ دلدار

(۲) چمن سرمایہ کردنِ گفتار بستایشِ کلکتہ
اگر فردوس نتواں گفت ارم است البتہ

(۳) با دوست از سپاسِ عطائے ہدیۂ سخن راندن
و متاعِ گزیدۂ سخن در برابرِ آں افشاندن

کاتب نے اِن فارسی عبارتوں کو مصرعوں کی شکل میں مندرجہ بالا صورت میں اُوپر نیچے لکھا اور یوں تدوین کار کے لیے بھٹکنے اور قارئین کے لیے تفنّنِ طبع کا سامان پیدا کر دیا۔

دیوانِ غالب کے نسخۂ خواجہ میں مرتب کے ناموزوں طبع ہونے کے متعدد شواہد ملتے ہیں[1]۔

---

[1] اور یہ معاملہ محض اس ایک تدوینی کام تک محدود نہیں۔ عرصہ ہوا انھوں نے "غالب اور انقلابِ ستاون" کے زیرِ عنوان "دستنبو" کو مرتب کیا تھا۔ یہ کتاب پہلی بار ۱۹۷۶ء میں شائع ہوئی تھی۔ میرے پیشِ نظر اس کا ۱۹۸۸ء کا ہندوستانی ایڈیشن ہے۔ اس کے "حرفے چند" میں مرتب نے رشید حسن خاں کا شکریہ ادا کرتے ہوئے اپنی دانست میں ایک مصرع لکھا ہے جو یہ ہے: "کیوں کر شکر ادا کیجیے اس لطفِ خاص کا۔" واضح رہے کہ "یہ مصرع" انھی غالب کا ہے جن سے معین صاحب کا تعلق خاطر ایک تہائی صدی پر پھیلا ہے۔ (جاری ہے)

ذیل میں نسخۂ خواجہ سے دو مصرعے (یا ان کے ٹکڑے) نقل کیے جاتے ہیں جو ان کے ناموزوں طبع ہونے کی مزید شہادت دیتے ہیں۔ اِن ناموزوں مصرعوں کو "سہوِ کاتب" قرار نہیں دیا جا سکتا۔

ناموزوں / غلط / ناقص	موزوں / صحیح
تب کوئی ایسا صاحبِ، صاحبِ نظر ملے ہے (ایرا ص ۱۰	تب کوئی ایسا صاحب، صاحبِ نظر ملے ہے
نویدِ امن ہے بیدادِ دوستؔ جاں کے لیے رہی نہ طرزِ ستم اور کوئی جاں کے لیے[1] ص ۳۴	نویدِ امن ہے بیدادِ دوستؔ جاں کے لیے رہی نہ طرزِ ستم کوئی آسماں کے لیے
اپنا بیاں حُسنِ طبیعت نہیں مجھے، ص ۲۵	اپنا بیانِ حُسنِ طبیعت نہیں مجھے

(گزشتہ سے پیوستہ) اور جن پر پاکستان میں پی ایچ۔ ڈی کی پہلی "سندِ فضیلت" حاصل کرنے کا "اعزاز" انھیں حاصل ہوا (نسخۂ خواجہ، ص ۳) شعر یوں ہے:

کس مُنہ سے شکر کیجیے اس لطفِ خاص کا
پُرسش ہے اور پائے سخن درمیاں نہیں

اسی طرح انھوں نے ایک مصرع یوں تحریر فرمایا ہے: یہ بات بھی لکھنے کے قابل ہے کتاب میں (دیکھیے "دیوانِ غالب نسخۂ خواجہ، تجزیہ و تحسین"، ص ۳۲۱، جبکہ صحیح مصرع یوں ہے: یہ بات بھی ہے لکھنے کے قابل کتاب میں۔

[1] مرتب نے یہ نہ سوچا کہ "جاں" کا قافیہ "جاں" نہیں ہو سکتا۔ یہ شعر انھوں نے "اطرافِ غالب" (سید عبداللہ) سے نقل کیا ہے۔ "ماہِ نو" میں جہاں یہ شعر، سید صاحب کے مضمون میں اولاً نقل ہوا تھا، صحیح تھا، دیکھیے "ماہِ نو" جولائی ۱۹۵۴ء ص ۱۸

ناموزوں/غلط/ناقص	موزوں/صحیح
بزمِ شہنشاہ ۔۔۔۔ دفتر کھلا میں اور بزم سے ۔۔۔۔۔ } ص ۲۸	بزمِ شاہنشاہ ۔۔۔۔ دفتر کھلا میں اور بزمِ مے سے ۔۔۔۔۔
کہتے ہو تم ۔۔۔۔ آتے، ص ۲۹	کہتے تو ہم تم ۔۔۔۔۔ آتے
ے شہنشاہِ فلک منظر بے مثل و نظیر ص ۳۰	اے شہنشاہِ فلک منظرِ بے مثل و نظیر
پے نذرِ کرم، تحفہ ہے شرمِ نارسائی کا' ص ۳۰۰	پئے نذرِ کرم، تحفہ ہے شرمِ نارسائی کا
لبِ خشک در تشنگی مُردگاں کا' ص ۳۰۱	لبِ خشک در تشنگی مُردگاں کا
ہے آرامیدگی میں نکوہش، بجا، مجھے ص ۳۰۲	ہے آرمیدگی میں نکوہش بجا مجھے
لبِ عیسیٰ کی جنبش کرتی ہے گہوارہ جنبانی ص ۳۰۳	لبِ عیسیٰ کی جنبش کرتی ہے گہوارہ جنبانی
بساطِ عجز میں تھا ایک دل ایک قطرۂ خوں وہ بھی ص ۳۰۵	بساطِ عجز میں تھا ایک دل، یک قطرہ خوں وہ بھی
محرم نہیں تو ہی نواہائے راز کا، ص ۳۰۶	محرم نہیں ہے تو ہی نواہائے راز کا
کہتے ہو تم سب کہ بُتِ غالیہ مو آتے ص ۳۰۹	کہتے تو ہو تم سب کہ بُتِ غالیہ مُو آتے
ہاں مہِ نو ہم سنیں اس کا نام، ص ۳۱۰	ہاں مہِ نَو، سُنیں ہم اس کا نام
بچوں کا بھی نہ دیکھا تماشا کوئی دن اور ص ۳۱٦	بچوں کا بھی دیکھا نہ تماشا کوئی دن اور
کہتے ہو تم سب کہ بُتِ غالیہ مو آتے ص ۳۲۵	کہتے تو ہو تم سب کہ بتِ غالیہ مو آتے

خضر سلطاں کو رکھے خالقِ اکبر سرسبز ص ۲۲۵	خضر سلطاں کو رکھے خالقِ اکبر سرسبز
سہرا لکھا گیا ز رہِ امتثالِ امر۔ ص ۲۳۶	سہرا لکھا گیا زرہِ امتثالِ اَمر

نسخۂ خواجہ کے مقدمے میں مرتب نے دیگر لکھنے والوں کی متعدد تحریروں سے اقتباس کیا ہے مگر کئی جگہ عبارتیں نقل کرتے وقت بعض لفظ ان سے چھوٹ گئے اور بعض مقامات پر لفظ یا اعداد صحیح طور پر نقل نہیں ہو سکے حالانکہ صحتِ متن کا تقاضا تھا کہ ان الفاظ و عبارات کو صحیح طور پر نقل کیا جاتا۔ ذیل میں ایسے چند مقامات کی نشاندہی کی جاتی ہے:

(۱) " بہ ثنائے ابوالایہ . . . " (ص ۱۶)
صحیح: " بہ ثنائے ابوالایتہ . . . . "

(۲) " ہمگی اشعارِ شعری شعار . . " . . (ص ۱۸)
صحیح: " ہمگی اشعارِ شعرائے[1] شعار . . . . "

(۳) " اس نسخے کے ورق ۲ ب کی چوتھی سطر . . . " (ص ۲۵)
صحیح: " اس نسخے کے مشملات کی ترتیب سابق نسخوں جیسی ہے چنانچہ ورق ۲ ب کی چوتھی سطر . . . "

(۴) " اس تقریظ میں دیوانِ غالب (طبع اوّل) . . . " (ص ۲۶)
صحیح: " اس تقریظ میں نسخۂ م (طبع اوّل) . . . "

(۵) ر ۹۶ . . . (ص ۲۶)

---

[1] دو ستاروں کا نام ہے جنھیں " شعرٰی العمیصا " اور " شعرٰی العبور " بھی کہتے ہیں، " شعرائے شامی " اور " شعرائے یمانی " بھی اور فارسی میں " دو خواہر " یا " دو خواہران " بھی کہتے ہیں۔ عمید، جلد دوم۔ مراد روشن ترین ستارے سے ہے۔

صحیح : ر ۶۹ . . . . . .

(۶) مارچ ۱۸۳۸ء تا مارچ ۱۸۳۸ء . . . (ص ۲۶)

صحیح : مارچ ۱۸۳۸ء تا مارچ ۱۸۳۹ء

(۷) "دمیدن سپیدہ سحری از تیرۂ شب سواد اوراق بفروغ گستری عبارت تقریظ . . . . ." (ص ۳۰)

صحیح : "دمیدنِ سپیدۂ سحری از تیرہ شبِ سوادِ اوراق بفرّ فروغ گستری عبارتِ تقریظ . . . ."

(۸) "ہر نئی غزل سے پہلے بیل بوٹے شنگرفی خاتمے پر بھی مرتج بیل بوٹے . . . . ." (ص ۳۲)

صحیح : "ہر نئی غزل سے پہلے بیل بوٹے شنگرفی ۔ خاتمے پر بھی مرصّع بیل بوٹے . . . ."

(۹) ". . . کہ لختے از مجر گردانی . . . ." ص ۳۲

صحیح : . . . . کہ لختے از مجرہ گردانی . . . .

(۱۰) "بفروغ گستری عبارت تقریظ کہ پیدائی آن . . . . (ص ۳۲)

صحیح : بفرّ فروغ گستریِ عبارتِ تقریظ کہ پیدائیِ آن

(۱۱) "عالی دودماں والا گوہر . . . . (ص ۳۲)

صحیح : عالی دودمانِ والا گہر . . .

(۱۲) ". . . . ھمگی اشعارِ شعری شعار، (ص ۳۲ - ۳۶)

صحیح : . . . ھمگی اشعارِ شعریِ شِعار

(۱۳) ". . . . . ھمگی اشعارِ شعری شعار" (ص ۳۲)

صحیح : ". . . ھمگی اشعارِ شعریٔ شِعار

(۱۴) نسخۂ عرشی زادہ ۱۳۲۱ھ/۱۸۱۶ء

صحیح : نسخۂ عرشی زادہ ۱۲۳۱ھ/۱۸۱۶ء

(۱۵) دِل مرا سوزِ نہاں سے بے مہابا جل گیا ، (ص ۳۰۴)
صحیح : دِل مرا سوزِ نہاں سے بے محابا جل گیا
(۱۵) "اِس مقدمے میں بادشاہ نے اپنے بیانِ صفائی میں . . . ." (ص ۳۲۹)
صحیح : اِس مقدمے میں بادشاہ کے اپنے بیانِ صفائی میں . . .

فارسی زبان سے ناواقفیت کے سبب مرتّب نے غالبؔ کے مختصر فارسی دیباچے اور نیرِ رخشاں کی تقریظ کی باز نوشت میں بھی کئی مقامات پر ٹھوکریں کھائی ہیں اُنھوں نے فارسی عبارتوں میں بعض ایسی جگہوں پر اضافتوں کا اہتمام کیا ہے جہاں وہ قطعی بے محل تھیں اور جن کے نتیجے میں مفہوم خبط ہو گیا ہے اور بعض جگہ جہاں اضافت کا اہتمام ضروری تھا وہاں بعض الفاظ و تراکیب کو اس سے محروم رکھا ہے۔ کئی مقامات پر واوِ مقلوب کی ضرورت تھی مگر وہاں واوِ مقلوب بار نہیں پا سکی اور بعض جگہ جہاں ضرورت نہ تھی وہاں اس کا التزام کیا ہے۔ چند مثالیں ملاحظہ فرمائیں۔ ساتھ ہی صحیح متن بھی درج کر دیا گیا ہے :

(۱) ازسنگِ بروں تافتہ . . . . واز نفس و مہ برآن نہادہ . . . اُمید کہ سخن سرایانِ سخنور ستایِ پراگندہ ابیاتے را . . . . بہ اسد اللہ خان' موسوم . . . . فرد جامِ کار بخشی مدفن نیز باد[1] " ص ۴۶، ۴۷

صحیح متن : "ازسنگ بروں تافتہ . . . واز نفس دمہ برآن نہادہ . . . . اُمید کہ سخن سرایانِ سخنور ستای' پراگندہ ابیاتے را . . . . بہ اسد اللہ خان موسوم . . . . فرجامِ کار بخشی مدفن نیز باد"

(۲) "عبارت تقریظ کہ پیرائی آن . . . . نواب محمّد ضیاء الدین احمد خاں بہادر . . . . . ودامن بگہر زدہ . . . . . فراخ سماطی نہادہ است و گرُسنہ چشمانِ سخن . . . ." ص ۲۸۷

---

[1] یہاں عبارت کے صرف وُہی حصّے درج کیے گئے ہیں جہاں اغلاط تھیں۔ پوری عبارت طوالت کا باعث ہوتی اِس لیے اس سے اجتناب کیا گیا ہے۔

صحیح عبارت : عبارتِ تقریظ کہ پیدائی آن . . . . نواب محمد ضیاء الدین خان بہادر . . . . و دامن بکمر بر زدہ . . . . فراخ ساحلی نہادہ است و گرسنہ چشمانِ سخن . . . .“

(۳) ”پردہ گیانند حجلہ نشینِ سُرادقِ مریم کرداری۔ شوخ چشمانند پردہ در تراز شاہدانِ بازاری . . . . . آزادگانند پا در گل . . . . . دہلی نژادانند صفاہان پرورد — ہانَ وہانَ . . . . . معیارِ نقدگراں مایگی . . . . فرمان فرمائی گیہان سخنوری۔“ ص ۲۸۹

صحیح متن : پردگیانند حجلہ نشینِ سُرادقِ مریم کرداری۔ شوخ چشمانند پردہ دَرتر از شاہدانِ بازاری . . . . آزادگانند پادر گل . . . . . دہلی نژادانند صفاہان پرورد — ہان وہان . . . . معیارِ نقدِ گراں مایگی . . . . فرمان فرمائی گیہانِ سخنوری۔“

(۴) نکوہش نکوہ ستایشِ ستای ۔ ص ۲۹۱

صحیح متن : نکوہش نکوہ ستایش ستای

(۵) ”سمیّ دَصیّ و اپسین و خُشور“ ص ۲۹۳

صحیح متن : سَمِیّ وَصِیّ واپسین وَخشُور

(۶) اَللّٰھُمَّ کَمِّلِ الْکَلَامَ بِدَیْمُوْمَتِہٖ بَقَایِھٖ وَحَصِّلِ الْمَرَامَ بِحَیْنُوْنَہٖ لِقَائِھٖ [1] ص ۲۹۳

صحیح متن : اَللّٰھُمَّ کَمِّلِ الْکَلَامَ بَدَیْمُوْمَۃِ بَقَائِہٖ وَحَصِّلِ الْمَرَامَ بِحَیْنُوْنَۃِ لِقَائِہٖ

(۷) ”. . . . . کہ یک از ان سمیں ساعدِ شخصِ خرد . . . . . . و قلاوزی بختِ بیدار . . . وانِدوہ تَرَدّدِ گرد آوری . . . .“ ص ۲۹۳

---

[1] مرتّب نے اس عبارت کو شعر کے طور پر اُوپر نیچے مصرعوں کی شکل میں درج کیا ہے بقا اور لقا اور دیگر اندرونی قوافی نے انھیں دھوکے میں رکھا۔

صحیح متن : " کہ ہر یک ازان سیمین ساعدِ شخصِ خرد . . . . و قلاوزی بخت بیدار . . . . . واندوہِ تردُّدِ گرد آوری . . . . "

(۸) . . . . تِذکارے باد

صحیح : . . . . تذکارے[۱] باد۔

مرتّب نے جس طرح غالبؔ کے شعری متن کی باز نوشت میں املا کی دو عملی کو راہ دی ہے، اسی طرح کا تضاد فارسی نثر کی باز نوشت میں بھی نظر آتا ہے۔ کہیں تو جدید ایرانی طرزِ املا کی پیروی کرتے ہوئے یائے مجہول کے بجائے صرف یائے معروف کو برتا ہے۔ اور کہیں اس کے برعکس یائے مجہول کو۔ اسی طرح کہیں نون (کامل) کا اِلتزام کیا ہے اور کہیں نونِ غنّہ کا۔ اِس تضاد سے قاری سخت اُلجھن کا شکار ہو جاتا ہے۔ غالب کے فارسی دیباچے اور تقریظ نثر کی باز نوشت سے صرف تین مثالیں :

(۱) . . . . "لختے از سامان . . . . . . دامنے از عُودِ ہندی . . . . . . نہ چوبہای سنگ ثروپ خوردہ" ص ۴۳، ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ جب "لختے" اور "دامنے" لکھا ہے تو پھر "چوبہای" کے بجائے بھی "چوبہائے" . . . . لکھا جاتا۔

(۲) "در ہوای آن رخشندہ آذر"۔ آذر کو غالب کے منشا کے خلاف "د" کے بجائے ذال سے لکھا جس کا وجود ہی بقولِ غالب فارسی میں نہیں[۲]۔

---

[۱] ذکَرَ ذِکراً و تَذکاراً، لہٰذا "تذکار" بہ فتحِ اوّل ہے۔ غیاث میں لکھا ہے : "بالکسر خطاست چراکہ سوائے تِبیان و تِلقای، ہیچ مصدرے بروزن تفعال بالکسر نیامدہ۔"

[۲] ویسے غالب کا فارسی میں وجودِ ذال سے انکار درست نہیں۔ اِس ضمن میں قاضی عبدالودود، ڈاکٹر نذیر احمد اور ڈاکٹر عبدالستار صدیقی کے مضامین پیشِ نظر رہنے چاہئیں۔ میرا موقف یہاں صرف اِس قدر ہے کہ یا تو غالب کے منشا سے املا کو کاملاً نظر انداز کر دیا جاتا یا پھر اسی کی پیروی کی جاتی۔ (جاری ہے)

(۳) "یوسفستانی است . . . . خود نو رونق شارسانی است . . . حرز بازوے فرزانہ . . . . سومناتی است . . . . . آرتنگی است بنمایشِ نقشہای بدیع . . . . در آن اندیشیدے . . . . . اندران سنجیدے . . . . . بارے کارسازِ ایزدِ بزرگ . . . . الایا توانا ہوشان ہوشے وشنوا گوشان، گوشے آرے راست می فرماید . . . . . از من یادگارے وبرای دیگران تذکارے باد" ص ۲۸۷ تا ۲۹۵

مرتّب موصوف کو بچاہیے تھا کہ جب یوسفستانی، شارسانی، سومناتی، آرتنگی، نقشہای بدیع لکھا تھا تو پھر اسی ایرانی اسلوبِ املا کی کلیتہً پیروی کی جاتی تاکہ یکسانیت کا حسن برقرار رہتا مگر افسوس ایسا نہیں ہوا اور "اندیشیدے"، "سنجیدے" بازوتے بارے، ہوشے، گوشے، آرے، یادگارے اور تذکارے کی یا ہائے مجہول نے معروف پر ایسی یلغار کی کہ رہے نام اللہ کا۔ اسی تقریظِ نثر میں کچھ شعر بھی آتے ہیں ذرا ان کا متضاد نمونۂ املا بھی دیکھتے چلیے۔کہیں نونِ منقوطہ ہے، کہیں نونِ غنّہ، کہیں یائے مجہول ہے، کہیں یائے معروف، مجہول و معروف اور منقوط وغیر منقوط کی ایسی افراط و تفریط ہے کہ: خامہ انگشت بدنداں ہے اسے کیا لکھیے؟ جواب: نقشِ لاحول لکھ اے خامۂ ہذیاں تحریر!:

مہین فرزندِ بنہ آبای علوی ۔ بہین شاگردِ عقلِ کلّ عالی!!
جہاں را بے دریغ آموزگار است ۔ گزیں معنی شناسِ روزگار است
بہ جولانگاہِ معنی یکہ تازے فلاطونِ فطرتے حکمت ترازے (ص ۲۹۱)

حیرت اِس بات کی ہے کہ نسخۂ خواجہ کے مرتّب کی کاوش سے ایک سو چھتیس برس قبل مطبعِ نظامی کے شائع کردہ دیوانِ غالب (۱۲۷۸ھ/۱۸۶۲ء) میں غالبؔ کا فارسی

(گزشتہ سے پیوستہ) یہ نیمے دروں نیمے بروں والا انداز بہر حال مرتّب کے انتشارِ ذہنی کو ظاہر کرتا ہے۔

دیباچہ کامل صحت کے ساتھ شائع ہو چکا تھا نیز معین سے مدتوں پہلے عرشی اپنے نسخے میں فارسی دیباچہ و تقریظ بہت حد تک اطمینان بخش طریقے سے شایع کر چکے تھے مگر افسوس کہ نسخۂ خواجہ مرتب کرتے وقت وہ اِن کاوشوں سے خاطر خواہ فائدہ نہیں اُٹھا سکے، خود وہ فارسی جانتے نہیں کہ ان مشکل عبارات کو صحت کے ساتھ ضبط کر سکتے۔

اب آخر میں چند باتیں غالب کے فارسی دیباچے اور نیّر کی فارسی تقریظ کے اُردو ترجمے کے ذیل میں۔ چونکہ مرتب فارسی نہیں جانتے اِس لیے یہ بات ظاہر و باہر ہے کہ یہ تراجم ان کے اپنے قلم سے نہیں۔ آئیے ذرا ان کے "استدراک" کا ایک اقتباس دیکھتے چلیں جس میں انھوں نے مذکورہ فارسی عبارتوں کے "تراجم کی تشکیل" کا ذکر فرمایا ہے :

> "دیباچے اور 'خاتمے' کے اُردو تراجم، ڈاکٹر نقوی کو بطورِ خاص پسند آئے۔ یہ امر میرے لیے راحت اور مسرت کا باعث ہُوا اور اِس سے طویل غور و فکر اور مشقت و تردد کی وہ کسل جاتی رہی جو ان تراجم کی تشکیل میں مجھے اُٹھانا پڑی۔"
>
> "دیوانِ غالب' نسخۂ خواجہ ۔ تجزیہ و تحسین"
>
> ص ۴۱

"تراجم کی تشکیل" کا ٹکڑا بڑا معنی خیز ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا معین صاحب کے پیش کردہ اُردو تراجم سے پہلے غالب کے فارسی دیباچے کے تراجم اور نیّر کی فارسی تقریظ کا ترجمہ اُردو میں ہو چکے تھے؟ جی ہاں متعدد بہ تفصیلِ ذیل:

(۱) غالب کے فارسی دیباچے کا ایک (شاید پہلا) اُردو ترجمہ ۱۹۴۲ء میں پروفیسر جیلانی کامران نے، جو ان دِنوں اسلامیہ کالج لاہور میں طالب علم تھے، اعظم علوی نامی ایک فارسی دان سے کروایا جو لاہور کے کسی دفتر میں ملازم تھے۔ یہ ترجمہ اسلامیہ کالج کی ٹرانسلیشن سوسائٹی میں پڑھا گیا اور رفیق خاور

---

[1] یہ معلومات راقم الحروف کو خود پروفیسر جیلانی کامران نے مہیا کیں۔

نے اسے پسند کیا۔ بعدازاں یہ "کریسنٹ" کے سالنامے میں شائع ہوا۔
ر۔ک "کریسنٹ"، سالنامہ ۱۹۴۶ء، جلد ۳۷، نمبر ۲۔

(۲) دُوسرا اُردو ترجمہ ڈاکٹر ظہورالدین احمد نے کیا تھا جو پروفیسر جیلانی کامران کی کتاب "غالب کی تہذیبی شخصیت" (۱۹۷۲ء) کے حواشی میں شایع کیا گیا تھا۔

(۳) تیسرا اُردو ترجمہ پروفیسر جابر علی سید نے کیا، جو ان کی کتاب "تنقید اور لبرل ازم" (۱۹۸۲ء) میں شایع ہُوا۔

(۴) چوتھا ترجمہ پروفیسر سیف اللہ خالد کی تالیف "دیباچے سے فلیپ تک" میں شایع ہُوا۔ یہ ترجمہ احمد سعید انصاری نے کیا۔ (پروفیسر سیف اللہ خالد کی تالیف، خُود ان کے بقول، نسخۂ خواجہ سے ذرا پہلے شایع ہوئی۔) آپ چاہیں تو اسے نسخۂ خواجہ میں شامل ترجمے کا معاصر کہہ لیجیے[1]

جہاں تک نیّرِ رخشاں کی تقریظ کا تعلق ہے، اس کا بھی کم از کم ایک خاصا عمدہ، رواں اور بامحاورہ ترجمہ، ۱۹۶۹ء میں پنجاب یونیورسٹی لاہور کی شایع کردہ کتاب "تنقیدِ غالب کے سو سال" میں شایع ہو چکا تھا۔ مذکورہ مجموعے میں شامل اس اُردو ترجمے کے اوپر سر سید احمد خان کا نام درج ہے اور حاشیے میں "آثار الصنادید ۱۸۴۷ء (اُردو ترجمہ) کی عبارت درج ہے۔ اِس سے شبہ ہوتا ہے کہ نیّرِ رخشاں کی اِس تقریظ کا سر سید نے اُردو ترجمہ کیا ہوگا جو آثار الصنادید کے پہلے ایڈیشن (۱۸۴۷ء) میں شایع ہُوا۔ یہ بات درست نہیں۔ میرے خیال میں اس تقریظ کے اُردو ترجمے کا سر سید سے دُور کا بھی تعلق نہیں۔ یہ اُردو ترجمہ

---

[1] ایک مفصل و مشرح ترجمہ ہندوستان کے ممتاز فاضل ڈاکٹر نذیر احمد نے کیا جو جنوری ۱۹۹۹ء کے "غالب نامہ" (نئی دہلی) میں شایع ہُوا ہے۔ صرف یہ ایک ترجمہ ہے جو نسخۂ خواجہ میں شامل ترجمے سے مؤخر کہا جا سکتا ہے۔

بالکل جدید اُردُو زبان میں ہے اور اس کا سرسید کی زبان سے کوئی اُسلوبی میل نہیں۔ مجھے گمان ہے کہ یہ اُردُو ترجمہ فارسی زبان کے ممتاز عالم وزیر الحسن عابدی نے کیا ہوگا۔

خیر کہنا یہ ہے کہ غالب کے مختصر دیباچے کے کم ازکم تین اُردو ترجمے معین صاحب کے پیشِ نظر تھے اور نیرؔ کی تقریظ کا مذکورہ بالا ترجمہ بھی ان کے پیشِ نظر رہا ہوگا۔ ان تراجم ہی کو سامنے رکھ کر انھیں بقولِ خود" تراجم کی تشکیل" کا تردّد کرنا پڑا۔ جب عضو بندی کا یہ کام مکمل ہوگیا تو اس قالب میں ڈاکٹر غلام مصطفٰے خاں، ڈاکٹر فرمان فتح پوری، نجم الاسلام اور مظہر محمود شیرانی نے کسی قدر رُوح پھونکی تب جا کر ان دونوں ترجموں میں زندگی کی رمق پیدا ہوئی۔ مُراد یہ ہے کہ ان اساتذہ کی نگار بندی کے باوجود کہیں کہیں "دُزدِ حنا" کی میلی آنکھ اپنے بے میل وجود کے ساتھ قاری کی پریشانیِ خاطر کا مُوجب بھی بنتی ہے مگر بحیثیتِ مجموعی دیباچۂ غالب کا معین صاحب کا پیش کردہ ترجمہ سابقہ تراجم کے مقابلے میں رَواں اور کسی قدر زیادہ کامیاب ہے۔ برنارڈ شو کا مشہور قول یاد آتا ہے: میں شیکسپیئر سے بڑا ہوں کیونکہ میں اس کے کندھوں پہ کھڑا ہوں!!

میری اِن معروضات سے یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ نسخۂ خواجہ میں موجود ان دو نثر پاروں کے اُردو ترجمے کے بالمقابل سابقہ ترجمے بے کار محض ہیں، ہرگز نہیں۔ یہ تینوں تراجم اپنی اپنی خوبیاں رکھتے ہیں مثلاً اعظم علوی کے ترجمے کا ابتدائی حصّہ بہت عمدہ اور اصل متن سے بہت قریب ہے مگر درمیان و آخر میں کہیں کہیں ناقص اور کہیں کہیں غلط ہے۔ اِسی طرح پروفیسر جیلانی کامران کی کتاب" غالب کی تہذیبی شخصیت" میں شامل ڈاکٹر ظہورالدین احمد کا اُردو ترجمہ بڑی حد تک صاف اور درست ترجمہ ہے۔ صرف تین چار مقامات ایسے ہیں جہاں وہ غالب کے مفہوم کو صحیح طور پر نہیں پا سکے مگر مجموعی حیثیت سے اسے خاصے کامیاب ترجمے کی ذیل میں رکھا جا سکتا ہے۔ میرا خیال ہے کہ معین صاحب نے اپنے نسخۂ خواجہ کے لیے

اِس مختصر دیباچے کا جو ترجمہ "تشکیل" دیا اس کی بنیاد زیادہ تر اسی ترجمہ پر رکھی ہے بلکہ کہیں کہیں تو معین صاحب کا ترجمہ ظہور صاحب کے ترجمے کا محض چربہ ہے۔ اِس ضمن میں بعض مماثل جملوں کا تقابل دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔

	ترجمہ از ڈاکٹر ظہورالدین احمد	"تشکیل ترجمہ" از معین الرحمٰن
(۱)	جلتی ہوئی خوشبو کو روشن رکھنے کا کچھ سامان مہیا ہوگیا ہے۔ ص ۴۷	خُوشبو اَرزانی پر آمادہ اگر دان کے لیے کچھ سامان فراہم ہوگیا ہے۔ ص ۳۴۰
(۲)	چھُری سے باریک کیا ہے اور ریتی سے ہموار کیا ہے، ص ۴۸	چھُری سے ریزہ ریزہ کیا ہے اور ریتی سے ہموار کیا ہے۔ ص ۳۴۰
(۳)	اِس آگ کی پاکیزگی ہر اعتبار سے ثابت اور مسلّم ہے، ص ۴۸	اس (آتشِ پارسی) کی پاکیزگی مسلّم ہے، ص ۳۴۰
(۴)	جس نے مٹھی بھر راکھ سے، ص ۴۸	جس نے مٹھی بھر راکھ سے، ص ۳۴۰
(۵)	جو ہوشنگ کی روشن آنکھوں کے ساتھ پتھر سے باہر نکلی ہے، ص ۴۸	جو ہوشنگ کی روشنیٔ چشم کے ساتھ پتھر سے باہر نکلی، ص ۳۴۱

ڈاکٹر ظہورالدین احمد کے اس ترجمے کی تقلید ہی کا نتیجہ ہے کہ جہاں مترجم نے غلطی کی، وہیں "تشکیل کنندہ" نے بھی ٹھوکر کھائی۔ اِس "وفاداری بشرطِ استواری" کی دو مثالیں ملاحظہ ہوں: دیباچے میں ایک جگہ غالب اس آگ کا ذکر کرتے ہیں جو ہند کی بھٹیوں میں جل رہی ہے، اس آگ سے ان کی مُراد وہ معاصر اُردو شاعری ہے جو پامال مضامین اور پیش پا اُفتادہ خیالات میں محصُور ہے چنانچہ اِس شاعری کے ذِکر میں لکھتے ہیں: "چہ بردے مسلّم است از ناپاکی بہ استخوانِ مُردہ ناہار شکستن"۔ گویا "چہ بُردے مُسلّم است" کا تعلق معاصر اُردو شاعری سے ہے، آتشِ پارسی

سے نہیں ہے جیسا کہ مترجم ڈاکٹر ظہور الدین احمد اور ان کے متعلّد کا خیال ہے۔

دیباچے میں آگے چل کر یہ عبارت ملتی ہے :

"پژوہندہ در ہوائے آن رخشندہ آذر نعل در آتش است کہ
بہ چشم روشنیِ ہوشنگ از سنگ بروں تافتہ ۔"

مراد یہ ہے کہ جستجو میں مگن آرزو مند شاعر اس روشن آگ کے حصول کے لیے بے چین ہے جو ہوشنگ کو مبارک باد دینے کے لیے پتھر سے باہر نکل آئی تھی ۔ فارسی متن میں "چشم روشنی" کی جو ترکیب استعمال ہوئی ہے اس کے معانی کی تفہیم نہ ڈاکٹر نذیر احمد کے یہاں درست ہے، نہ ظہور الدین احمد کے یہاں، نہ اعظم علوی کے یہاں اور نہ احمد سعید انصاری ہی کے یہاں ۔ جابر علی سیّد نے بھی اس کا مفہوم غلط سمجھا اور ترجمہ یوں کیا : " اس کا جویا اس چمکنے والی آگ کے عشق میں بے قرار ہے جو ہوشنگ کی آنکھ کو روشن کرنے کے لیے پتھر سے باہر نکلی تھی "(تنقید اور لبرل ازم ص ۳٦) ۔ معین صاحب کے یہاں ترجمے کی صورت یہ ہے :

"یہ وہ آگ ہے جو ہوشنگ کی روشنیِ چشم کے ساتھ پتھر سے باہر نکلی ۔" ص ۱۴۱ ۔۱۴۲ ۔

اِس جملے کا ترجمہ ڈاکٹر ظہور الدین احمد نے اس طرح کیا ہے :

" اِس آگ کی آرزو میں بے قرار ہے جو ہوشنگ کی روشن آنکھوں کے ساتھ پتھر سے باہر نکلی ہے ۔" (ص ۴۸)

معین صاحب نے اپنے ترجمے میں محض یہ کیا ہے کہ غالب کی استعمال کردہ ترکیب "چشم روشنی" کو مقلوب کر کے "روشنیِ چشم" کر دیا تاکہ یہ ظہور الدین احمد کے ترجمے سے تھوڑا سا مختلف دکھائی دے ۔ اصل میں "چشم روشنی" کے معنی "تہنیت" یا "مبارک باد" کے ہیں ۔ "بہارِ عجم" میں لکھا ہے :

"چشم روشنی و چشم کسی روشن : چون چیزی عجیب و غریب بنظر آید یا نعمتی غیر مترقبہ بہم رسد، چنین گویند و در معنیِ تہنیت و مبارک باد

است ۔"

بہار، صائب کا یہ شعر بطور نظیر لاتا ہے : ؎

گو بند چشم روشنی ہم غزال ہا ۔ ہر جا کہ آں نگار بعزم شکار شد،

بہار، جلد اول، ص ۳۱۴

دلچسپ بات یہ ہے کہ "چشم روشنی" کی یہ ترکیب غالب کے یہاں متعدد جگہ آتی ہے۔ تین مقامات میرے علم میں ہیں : "پنج آہنگ"، "مہر نیمروز" اور "دستنبو"۔ پہلی کتاب یعنی "پنج آہنگ" کا "آہنگ پنجم" اُردو میں ترجمہ ہو کر شایع ہو چکا ہے۔ باقی دونو کتابوں کے بھی معیاری ترجمے اُردو میں شایع ہو چکے ہیں۔ اِن تینوں تراجم میں "چشم روشنی" کا صحیح ترجمہ "مُبارک باد" درج ہے۔ میرزا حسام الدین حیدر کے نام خط میں ایک جگہ غالب لکھتے ہیں :

(۱) ایں چہار رُباعی در چشم روشنیِ رُویایِ صادقہ فرستادہ آمد" پنج آہنگ، (مرتبہ عابدی) ص ۴۵۰

"مہر نیمروز" میں خطابِ زمیں بوس" کے زیر عنوان ایک جگہ فرماتے ہیں :

(۲) "بخت از خواب جست، حور چشم روشنی گفت"، مہر نیمروز (مرتبہ عبدالشکور احسن)، ص ۱۹

"دستنبو" میں ایک جگہ جد و جہدِ ستادن کی مذمت اور انگریز کی توصیف کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اگر ناشکرے سپاہیوں کے ہاتھوں عدالتیں نہ اُجڑ جاتیں تو گلستانِ انگلستان سے صادر شدہ فرمان سے میری آنکھیں اور میرا دِل ایک دُوسرے کو مبارک باد دیتے۔ اصل متعلقہ عبارت یہ ہے :

(۳) "دل و دیدۂ من چشم روشنی گوی ہمہ گر گر دیدہ بودی"۔۔۔ غالب در انقلابِ ستادن (دہلی)، ص ۱۹۶۔

یہ آخری عبارت اِسی کتاب (دستنبو) سے نقل کی گئی ہے جس کے تین ایڈیشن ڈاکٹر معین الرحمٰن مرتب کر کے شایع کر چکے ہیں اور جس کے مصنف

وہی غالب ہیں جن سے ان کے تعلق خاطر کا عرصہ ایک تہائی صدی پر پھیلا ہے
دلچسپ ترباب یہ ہے کہ اسی کتاب کے ص ۲۲۳ پر چشم روشنی کے معانی صاف
"مبارک باد" لکھے ہوئے ہیں۔ فارسی متن تو معین صاحب کے دائرۂ تفہیم سے
باہر تھا۔ کیا وہ اپنے مرتب کردہ ترجمہ شدہ متن سے بھی اس درجہ بے نیاز ہیں؟
ایسا متن جسے وُہ تین بار شایع کر چکے ہیں؟

معین صاحب کے پیش کردہ ترجمۂ دیباچۂ غالب میں چند اور مقامات پر
بھی کوتاہیوں اور نارسائیوں کا احساس ہوتا ہے۔ ص ۲۴۰ پر یہ عبارت بطور
ترجمہ سامنے آتی ہے :

"یہ خاصہ کسی طرح گدازیِ قلب کا سامان نہیں بن سکتا اور نہ یہ
بزم افروزی کے لیے مناسب (خیال کیا جا سکتا ہے)"

اصل عبارت یہ ہے : "ہر آیینہ بہ دِل گداختن نیرزد و بزم افروختن رانشاید"۔

"ہر آیینہ" یہاں "ظاہر ہے" کے معنوں میں آیا ہے۔ غالب کا اشارہ
چونکہ معاصر اُردو شاعری کی طرف ہے اِس لیے صحیح ترجمہ یوں ہوگا : گویا واضح
ہے کہ (یا واضح طور پر) یہ شاعری (اُردو) کسی طرح اِس لائق نہیں کہ اس سے
دِل پگھلے نہ یہ بزم افروزی کے لیے مناسب خیال کی جا سکتی ہے۔

دیباچے میں غالب نے "نوُر پاش آتش" کا ذِکر کرتے ہوئے جہاں یہ لکھا
ہے کہ یہ آگ ہوشنگ کو مبارک باد کہنے کے لیے پتھر سے باہر نکل آئی وہیں اس
کی فیض رسانی کا یوں ذکر کیا ہے :

"خس را فروغ است ولالہ را رنگ و مُغ را چشم و کدہ را چراغ"

اِس کا ترجمہ نسخۂ خواجہ میں یہ ہے :

"حُسن کو فروغ، لالہ کو رنگ . . . . . الخ" ص ۲۴۱

یہاں "حُسن" کا لفظ بے محل اور مُہمل ہے، "خس" ہونا چاہیے۔
چند اور مقامات ملاحظہ کریں جہاں ترجمہ ناقص اور ایک آدھ جگہ غلط ہے

اصل عبارات بھی درج ہیں :

اصل فارسی متن	ترجمہ / نسخۂ خواجہ
(۱) بخشندہ یزدانِ درون بہ سخن برافروز را سپاسم	باطن کو سخن کی گرمی بخشنے والے معبود کا شکرگزار ہوں، ص ۳۴۱
(۲) بُوکہ در اندک مایہ روزگاران	تاکہ کم مائیگی کے باوجود، ص ۳۴۱
(۳) ہمانا نگارندۂ این نامہ را آن در سر است کہ پس از انتخابِ دیوانِ ریختہ بہ گرد آوردن سرمایۂ دیوانِ فارسی برخیزد۔	اب راقم السطور کا ارادہ ہے کہ دیوانِ ریختہ کے انتخاب کے بعد دیوانِ فارسی کے مجموعے کو مرتب کرے۔ ص ۳۴۱
(۴) و چامہ گرد آورندا	اور راقم کو ص ۳۴۱
(۵) یارب این بوتے ہستی ناشنیدہ از نیستی بہ پیدائی نارسیدہ یعنی نقشِ بہ ضمیر آمدۂ نقاش کہ بہ اسد اللہ خاں موسوم .... فرجامِ کار نجفی مدفن نیز باد۔	یارب یہ بوتے ہستی ناشنیدہ اور یہ پیدائی نارسیدہ یعنی ضمیرِ نقاش میں مضمر نقش کہ جس کا نام اسد اللہ خاں ہے ......، انجامِ کار مدفن نجفی بھی ہو۔ ص ۳۴۱

میرے نزدیک نمبر ایک میں "سخن کی گرمی" کے بجائے "سخن / شعر کی روشنی" ہونا چاہیے تھا۔ نمبر ۲، میں "تاکہ کم مائیگی کے باوجود" غلط ہے۔ صحیح ترجمہ وہ ہے جو نذیر احمد اور دیگر حضرات نے کیا ہے، نذیر احمد نے لکھا ہے " اُمید ہے کہ کچھ ہی دِنوں میں" (غالب نامہ، ص ۱۵)۔ ظہور الدین احمد نے لکھا ہے : "اُمید ہے کہ تھوڑی مدت میں" (ص ۳۸)۔ احمد سعید انصاری نے لکھا ہے : "بہت ممکن ہے کہ تھوڑے ہی عرصے میں" (ص ۱۲۰)

نمبر ۳ "ھمانا" کا ترجمہ نہیں آسکا علاوہ ازیں "دیوانِ فارسی کے مجموعے" میں "مجموعے" کا لفظ حشو ہے۔ نمبر ۴ میں چامہ گرد آور کا ترجمہ "راقم" ناقص ہے۔

یہاں "جامع دیوان" کا محل تھا جیسا کہ اِس موقعے پر جابر علی سید اور نذیر احمد نے لکھا ہے۔ احمد سعید انصاری نے "جامع کنندۂ ابیات" لکھا ہے۔ (ص ۱۲۰) یہ بھی درست ہے گو کہ ذرا ثقیل ہے۔ نمبر ۵ میں "بوئے ہستی ناشنیدہ" اور "پیدائی نارسیدہ" کو اصل متن کے مطابق لکھ کر اپنے عجز کا اظہار کیا گیا ہے۔ قصّہ یہ ہے کہ غالب نے اپنی کئی تحریروں (نظم و نثر دونوں) میں خود کو وحدت الوجودی کہا ہے، اسی نسبت سے اس دیباچے میں بھی خود کو "بوئے ہستی ناشنیدہ" (یعنی وجودِ موہوم) اور "پیدائی نارسیدہ"، (وجودِ اعتباری) لکھا ہے چنانچہ اسی تناظر میں ان عبارتوں کا ترجمہ کرنے کی ضرورت تھی۔ اسی نمبر ۵ میں "مَدفن بخفی" غلط محض ہے یا تو "بخفی مَدفن" ہی کی ترکیب قائم رکھی جاتی جیسا کہ نذیر احمد (غالب نامہ، ص ۱۵) نے کیا ہے یا یوں لکھا جاتا: "اس کی عاقبت ایسی ہو کہ اسے مَدفن بھی نجف میں نصیب ہو جاتے" جیسا کہ انصاری نے لکھا ہے (ص ۱۲۱) یا پھر یوں کہ: اے رب اس کا مَدفن بھی نجف میں ہو۔

اب آخر میں نیر رخشاں کی تقریظ کے اردو ترجمے (مشمولہ نسخۂ خواجہ) کے ضمن میں چند معروضات پیش کرتا ہوں:

نیر کی تقریظ کا یہ ترجمہ جو دیوان کے آخر میں شامل ہے مجموعی حیثیت سے کامیاب اور رَواں دواں ہے لیکن پھر بھی کئی مقامات پر مترجم (تشکیل کنندہ) سے لغزشیں ہوئی ہیں۔ ذیل میں اصل عبارت اور اُس کا ترجمہ درج کیا جاتا ہے اور پھر تسامحات کی نشاندہی کی جاتے گی۔

اصل عبارت	اُردو ترجمہ (نسخۂ خواجہ)
(۱) لا ابالی خرام محجوبہ ایست مقنعہ از رُخ برداشتہ و دامن بکمر بر زدہ	"ایک بے نیازانہ چہل قدمی کرتی ہُوتی مستورہ ہے جس نے پردہ دَری کے انداز میں چہرے سے نقاب اُٹھا کر اپنا دامن کمر سے باندھ لیا ہے۔" ص ۳۴۲

اصل عبارت	اردو ترجمہ (نسخۂ خواجہ)
(۲) پہنا در پرندیست مانندِ سپہر ثوابتُ گوہر آگیں	"ستاروں بھرے آسمان کی مانند موتیوں سے بھرا ہُوا ایک کشادہ ریشمی پھریرا ہے" ص ۳۴۲
(۳) ارتنگے است بنمایش نقشہاتے بدیع پشتِ دستِ مانی وارژنگ برزمین سای	"ایسا مرقع ہے جس کی نادر تصاویر کی نمایش دیکھ کر مانی وارژنگ بھی کورنش بجالاتے ہیں،" ص ۳۴۲
(۴) فروزندۂ چراغِ دودۂ آمہ	"دوات کی روشنائی کا چراغ روشن کرنے والے"، ص ۳۴۳
(۵) برشستہ پیش طاقِ شناسائی برآویزد	"آگاہی کی محراب کے روزن پر معلق کر دے۔" ص ۳۴۵
(۶) همگی اشعار شعرای شعار	"جُملہ اشعار . . ." ص ۳۴۵

مثالِ اوّل میں "دامن بکمر برزدہ" "دامن کمر سے باندھ لیا ہے" کے بجائے "دامن کمر تک لے آتی ہے" کا محل تھا جیسا کہ "تنقیدِ غالب کے سو سال" میں مندرج ہے (دیکھیے ص ۶۲۳) دامن بر کمر زدن اصلاً "دامن بالا زدن" کا مترادف ہے مثال دوم میں "پہنا در پرندیست" کا ترجمہ "کشادہ ریشمی پھریرا" کیا گیا ہے جو درست نہیں۔ "پرند" کا معنی "پارچۂ ابریشمی" ہے لہٰذا اس کا ترجمہ یوں ہونا چاہیے: "اسے دُور تک پھیلا ہُوا ریشمی کپڑا سمجھیے"۔ مثال سوم میں "پشتِ دستِ مانی وارژنگ برزمین سای" کا مفہوم "مانی وارژنگ بھی کورنش بجالاتے ہیں" درج کیا گیا ہے جو درست نہیں۔ کورنش بجالانے کو فارسی میں "پشتِ دست برزمین نہادن" کہتے ہیں جیسا کہ ظہوری کے اِس شعر سے ظاہر ہے:

بہ تسلیم چوں چاکرانِ کمیں   فلک پشتِ دستے نہد برزمیں

مندرجہ بالا عبارت کا مفہوم یہ ہوگا: "عجز کے اظہار کے طور پر اپنی پشتِ دست زمین پر رگڑتے ہیں۔" یہی مفہوم "تنقیدِ غالب کے سو سال" میں ملتا ہے اور یہی فصیح اور درست ہے۔

مثالِ چہارم میں فارسی عبارت کا صحیح مفہوم یہ ہونا چاہیے: "دوات کے خانوادے کا چراغ روشن کرنے والے" مثالِ پنجم میں "شمسہ" اور "پیش طاق" کے لفظ قابلِ غور ہیں۔ ان دونوں کا مترادف یہاں "محراب" اور "روزن" کے بجائے "قبہ" اور "صحنِ خانہ" یا "دروازۂ بلند" ہونا چاہیے۔

مثالِ ششم میں "شعریٰ" کا ترجمہ نہیں دیا گیا۔ پورے ٹکڑے کا ترجمہ یوں ہوگا: "مجلہ روشن لقا اشعار"۔

دیوانِ غالب کے اِس نسخۂ خواجہ کے آخر میں "مزید مآخذ" کے زیرِ عنوان آٹھ کتابوں کے نام درج ہیں ان میں سے تین کا اندراج قطعی بے محل ہے یعنی امیر کبیر نواب شمس الامرا بہادر کی "علم جرِ ثقیل و علمِ ہئیت"، رجب علی بیگ کی "فسانۂ عجائب" (طبع اول) اور ملا معین الدین کی "معارج النبوۃ"۔ کیا مرتب نے اِن تینوں مذکورہ کتب سے کوئی حوالہ دیا ہے یا اقتباس کیا ہے کہ انھیں مآخذ کا نام دیا ہے؟ کیا مرتب پر "مآخذ" کے معنی روشن نہیں؟ پھر یہاں مکرر "معارج النبوۃ" (قلمی نسخہ) کو معین الدین واعظ الکاشفی سے منسوب کیا ہے حال آنکہ یہ کتاب ملا معین الدین فراہی کی ہے۔ فراہ ہرات کے نزدیک کا دہ معروف قریہ ہے جو بڑا مردم خیز رہا ہے۔ ابو نصر فراہی مصنف "نصاب الصبیان" کا تعلق اسی قریے سے تھا۔

قارئینِ کرام! مندرجہ بالا معروضات کی روشنی میں آپ بخوبی اندازہ کرسکتے ہیں کہ دیوانِ غالب کی زیرِ نظر تدوین میں متن و مفہوم کی کس قدر نارسائیاں، لغزشیں اور تسامحات ہیں۔ اِن تسامحات کے پیشِ نظر مرتب کا یہ دعویٰ کہ انھوں نے اِس متن کی تدوین میں عمرِ عزیز کے پندرہ سترہ برس صرف کردیے، سوائے شاعرانہ غلو کے اور

کیا ہے۔ جس کتاب میں اغلاط کی تعداد ایک سو سے متجاوز ہو، اسے کسی درجے میں بھی تدوین کا قابلِ فخر کارنامہ قرار نہیں دیا جاسکتا۔ اس پر مستزاد یہ کہ یہ تدوین بھی ایک ایسے قلمی نسخے کی ہو جس کے مالِ مسروقہ ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ستم بالائے ستم یہ کہ اس نسخے کو خواجہ منظور حسین مرحوم جیسے شریف آدمی سے منسوب کر کے اسے "نسخۂ خواجہ" کا نام دیا گیا ہے۔ مالِ مسروقہ کو کسی مرحوم سے منسوب کرنا، اس کی رُوح کو اذیت دینے کے مترادف ہے۔

پیشِ نظر مضمون کے آخر میں نسخۂ پنجاب یونیورسٹی لائبریری (متعارفہ سیّد عبداللہ)، نسخۂ لاہور (متعارفہ عرشی) اور نسخۂ خواجہ (متعارفہ معین الرحمٰن) کے پہلے دو دو صفحات کے عکس شایع کیے جا رہے ہیں۔ اسی طرح نسخۂ لاہور (متعارفہ عرشی) کے شعری متن کے پہلے دو صفحات کے روٹوگراف کا عکس اور انہی دو صفحات کا عکس از نسخۂ خواجہ پیش کیے جا رہے ہیں۔ نیز نسخۂ لاہور کے آخری وَرق کا عکس بھی شایع کیے جا رہے ہیں۔ علاوہ ازیں "ماہِ نو" جولائی ۱۹۵۴ء میں شایع شدہ یونیورسٹی لائبریری کے نادر نسخے کے پہلے دو صفحات کے مقصرہ عکس کا فوٹو بھی شامل کیا جا رہا ہے۔ نیز نسخۂ خواجہ کے فولیو نمبر ۲۲ کے متن کا عکس بھی حاضرِ خدمت ہے جس کے زیریں حصے سے پنجاب یونیورسٹی لائبریری کا تفویض کردہ Acc. No چھیلا گیا ہے۔ شاید "فتح دین" کو اس مقام پر اپنے نام کی چٹ لگانا یاد نہ رہا۔

آخر میں اس امر کا اظہار بھی ضروری محسوس ہوتا ہے کہ زیرِ بحث مخطوطے کے مختلف عکوس کا جو اس مضمون کے ساتھ قارئین کے مطالعے اور مشاہدے کی غرض سے شایع کیے جا رہے ہیں، باہمی موازنہ کرتے ہُوئے یہ بات پیشِ نظر رکھنی چاہیے کہ عکس پر تکنیکی تبدیلیوں، عدسوں اور مشینوں کے معیار، مختلف کمپنیوں کے ماڈلز اور مختلف مراحل یعنی تکبیر ENLARGEMENT اور تقصیر REDUCTION وغیرہ سے گزرنے کی بنا پر معمولی سا فرق پیدا ہو جاتا ہے حتیٰ کہ سیاہی کے گاڑھے

پتلے ہونے اور کاغذ کے کم یا زیادہ جاذب ہونے یا اس کی سطح کے چکدار یا کھردرا ہونے سے کسی حد تک فرق پیدا ہو جاتا ہے، مگر اس سے سوادِ خط اور حروف و الفاظ کی نشست اور پیچ وخم میں مسخ کر دینے والا فرق بہرحال نہیں پڑتا۔

مرتّب نے نسخۂ خواجہ کا جو عکسی متن شایع کیا ہے وہ جدید ترین تکنیک سے تیار کیا گیا ہے جبکہ ڈاکٹر سید عبداللہ مرحوم کے مضمون (ماہِ نو جولائی ۱۹۵۴ء) کے ساتھ شایع شدہ عکس چوالیس برس پہلے مخطوطے کے فوٹو عکس سے پوزیٹو بنا کر پلیٹ سے تیار کیا گیا تھا۔ اسی طرح عرشی مرحوم کو ۱۹۵۸ء میں اسی قلمی نسخے کا روٹوگراف فراہم کیا گیا تھا۔ روٹوگراف میں تحریر سفید اور کاغذ سیاہ ہو جاتا تھا۔ یہ تکنیک اب مدت سے متروک ہو چکی ہے۔

عہدِ جدید کی تکنیکی پیشرفت کے باعث فرینزک تکنیک اور انفرارِیڈ کیمرے اور کیمیائی تجزیوں بشمول کاربن ٹیسٹ وغیرہ سے دستاویزات میں نقطے برابر رد و بدل اور تحریف و تغیر کا بھی ناقابلِ تردید تعین ممکن ہے۔ چنانچہ ان جدید ترین تکنیکوں کا اطلاق نسخۂ خواجہ کی چند تحریفات پر بھی بخوبی کیا جا سکتا ہے تاکہ حقیقتِ حال کھل کر سامنے آجائے۔

اُمیدِ واثق ہے کہ مندرجہ بالا گزارشات کے پیشِ نظر اور مذکورہ عکسی شواہد کی موجودگی میں قارئین فوراً بسہولت اندازہ لگالیں گے کہ بظاہر تین نسخوں کی یہ مزعومہ تثلیث اصل میں ایک ہی نسخے کی توحید کی داستان بیان کر رہی ہے اور یہ داستان ہے پنجاب یونیورسٹی لائبریری کے قلمی نسخے کی گم شدگی اور نسخۂ خواجہ کی صورت میں اس کے ظہورِ ثانی کی۔ رہی یہ بات کہ اِس قلمی نسخے کی بازیافت کب تک ممکن ہے سو اس باب میں غالبؔ ہی کا یہ شعر بڑی اُمید دلاتا ہے : ؎

دیکھیے پاتے ہیں "عُشّاق" "بُتوں" سے کیا فیض
اِک برہمن نے کہا ہے کہ یہ سال اچھا ہے

نسخۂ پنجاب یونیورسٹی لائبریری مُستعارۂ عرشی کے پہلے صفحے کے روٹو گراف کا عکس

بتیغ برافروزند و آتش پرست را به باد افراه هم در آتش سوزند
بناک میدانند که برهنه در هوای آن جسته داد از نعل در آتش است که
به چشم روشنی پوشنگ از سنگ بر آن تافته و در ایوان لهراسب نشو و نما یافته
خس را فروغ مست و لاله را از رنگ شمع را چشم و کده را چراغ بخشنده یزدان
درود سخن را فرازنده است باسم که شراره‌ای از آن آتش تا بال سخاکر خویش
یافته به کاوش دل سینه تافته‌ام و از نفس دمه بر آن برنهاده تو کار درانده کشیده
روزگاری از آن مایه فراهم تواند آمد که تیره را فروزشهای چراغ و رایحه
عود را بالش شناسای دماغ تواند بخشید همانا نگارنده این نامه را آن
در سر است که بسان انتخاب دیوان ریخته به گرد آوردن سرمایه دیوان فارسی
برخیزد و باستایش خاصه کمال این فرلوپ فن پس زانوی خویشتن نشیند
امید که سخن سرایان سخنور ستای پراگنده ابیاتی را که خارج ازین اوراق
یابند آثار تراوش رگ کلک این نامه سیاه ندانسته و جامع اوراق را
در ستایش و نکوهش آن اشعار ممنون و ماخوذ نسگالند یارب این لوح
هستی ناشنیده از شیتی به پیدایی نارسیده یعنی نقش تعمیر آمده
نقاش که به اسدالله خان موسوم و به میرزا نوشه معروف و به غالب

نسخۂ متعارفہ سیدہ عبداللہ کے دوسرے صفحے کا مکتب عکس

نسخۂ متبادرفتہ عرشی کے دُوسرے صفحے کے روٹوگراف کا عکس

نسخۂ متعارفہ سید عبداللہ
کے دو صفحات
مطبوعہ 'ماہ نو' جولائی ۱۹۵۴ء
کے مصغرہ عکس

نسخۂ متعارفہ عرشی کے شعری متن کے پہلے صفحے کا عکس

متخلص ست چنانکه اکرابادی مولدو دہلوی مسکن ست و جام کار ریختی مدفن شیر باد

نقش فریادی ہی کسکی شوخی تحریر کا
کاغذی ہی پیرہن ہر پیکر تصویر کا

کاو کاو سخت جانیہای تنہائی نو چھ
صبح کرنا شام کا لانا ہی جوی شیر کا

جذبۂ بی اختیار شوق دیکھا چاہیی
سینۂ شمشیر سی باہر ہی دم شمشیر کا

آگہی دام شنیدن جسقدر چاہی بچھا
مدعا عنقا ہی اپنی عالم تقریر کا

بسکہ ہون غالب اسیری مین بہی آتش زیرپا
موی آتش دیدہ ہی حلقہ میری زنجیر کا

جراحت تحفہ الماس ارمغان داغ جگر ہدیہ
مبارکباد اسد غمخوار جان دردمند آیا

جز قیس اور کوئی نہ آیا بروی کار
صحرا مگر بہ تنگی چشم حسود تھا

آشفتگی نی نقش سویدا کیا درست
ظاہر ہوا کہ داغ کا سرمایہ دود تھا

تھا خواب مین خیال کو تجھسی معاملہ
جب آنکھ کھل گئی نہ زیان تھا نہ سود تھا

لیتا ہون مکتب غم دلمین سبق ہنوز
لیکن یہی کہ رفت گیا اور بود تھا

دھا نیا ...

نسخۂ متعارفۂ معین الرحمٰن کے شعری متن کے پہلے صفحے کا عکس

نسخہ متعارفہ عرشی کے آخری صفحے کا عکس جہاں مذکور مہر صاف نظر آتی ہے

این همایون صحیفه شناسم همگی اشعار شعری شعار غزل و قصیده
و قطعه و رباعی هزار و پانصد و پنجه و اند یافتم
الا یا نوا ناهوشان هوشی و شنوا گوشان گوشی بر این ساز نه
شناخت فراوانی سخن و معانی باید رفت نه در معوله شماره زنی
خرده بر قلت ابیات گرفت چنانکه خود آن والا آموزگار در گزارش
این هنجار به بلیغ نشی نامه خویشتن در پرده ساز آن گفتار خود میسراید

آری راست میفرماید مقطع
چه غم گر هست اشعار من اندک
نگویم تا نباشد نغز غالب
از من یادگاری و برای دیگران یادگاری باد

فتح دین
فتح دین
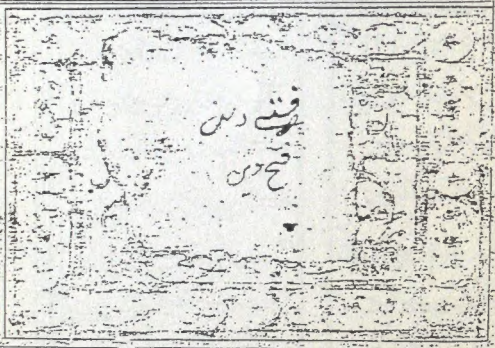
نسخہ متعارفہ معین الرحمن کے آخری صفحے کا عکس جہاں مدوّر مہر کے اوپر "فتح دین" کی چیپی لگائی گئی ہے۔

۲۲

رشک کہتا ہی کہ اسکا غیر سے اخلاص حیف
عقل کہتی ہی کہ وہ بے مہر کسکا آشنا

ذرہ ذرہ ساغر میخانۂ نیرنگ ہے
گردش مجنوں بچشمکہای لیلا آشنا

شوق ہی ساماں طراز نازش ارباب عجز
ذرہ صحرا دستگاہ و قطرہ دریا آشنا

مین اور ایک آفت کا ٹکڑا وہ دل وحشی کہ ہے
عافیت کا دشمن اور آوارگی کا آشنا

شکوہ سنج رشک ہمدیگر نہ رہنا چاہیے
میرا زانو مونس اور آئینہ تیرا آشنا

کوہکن نقاش یک تمثال شیرین تھا اسد
سنگ سے سر مار کر ہووی نہ پیدا آشنا

ذکر اس پری وش کا اور پھر بیان اپنا
بنگیا رقیب آخر تھا جو رازدان اپنا

می وہ کیوں بہت پیتی بزم غیر مین یارب
آج ہی ہوا منظور انکو امتحان اپنا

منظر اک بلندی پر اور ہم بنا سکتے
عرش سی ادہر ہوتا کاشکی مکان اپنا

دی وہ جسقدر ذلت ہم ہنسی مین ٹالینگے
باری آشنا نکلا انکا پاسبان اپنا

درد دل لکھوں کب تک جاؤں انکو دکھلا دوں
انگلیان فگار اپنی خامہ خونچکان اپنا

گھستے گھستے مٹ جاتا آپنے عبث بدلا
ننگ سجدہ سی میری سنگ آستان اپنا

تا کری نہ غمازی کر لیا ہی دشمن کو
دوست کی شکایت مین ہمنی ہمزبان اپنا

نسخۂ خواجہ کا صفحہ ۲۲ جہاں سے پنجاب یونیورسٹی لائبریری کا Acc. No. چھیلا گیا ہے۔

زیرِ نظر مختصر کتاب سے پتا چلتا ہے کہ :

- دیوانِ غالب کا نسخۂ خواجہ درا صل پنجاب یونیورسٹی لائبریری ہی کا گم شدہ / مسروقہ نسخہ ہے۔
- پاکستان کے ممتاز مخطوطہ شناس خلیل الرحمٰن داؤدی کا کہنا ہے کہ ان کا پچاس برس کا مخطوطہ شناسی کا تجربہ گواہی دیتا ہے کہ دیوانِ غالب کا نسخۂ خواجہ عین مین پنجاب یونیورسٹی لائبریری کا نسخہ ہے۔ اس سے ہرگز الگ نہیں۔
- ہندوستان کے اعلیٰ پائے کے محقق رشید حسن خاں کا یہ قول لائقِ توجہ ہے کہ ملکیت بدل جانے سے نسخہ نہیں بدل جاتا۔
- نسخۂ خواجہ کے مرتّب ڈاکٹر معین الرحمٰن تحریف اور دوسروں کے علمی کام اپنے نام سے چھپوانے کی غیر معمولی "شہرت" رکھتے ہیں۔
- ڈاکٹر صاحب سے بعید نہیں کہ دیوانِ غالب کے اس نسخے میں انھوں نے چند معمولی ترمیمیں کر کے اسے الگ نسخہ ثابت کرنا چاہا ہو۔
- یہ کتاب یہ سوال اٹھاتی ہے کہ کیا فتنے دین اور جنابِ معین اصل میں دونوں ایک ہیں۔
- یہ کتاب یہ سوال بھی اُٹھاتی ہے کہ مالِ مسروقہ پرانی کتابوں کے کس کاروباری سے کس اصول کے تحت خریدا گیا؟
- اِس مسروقہ نسخے کو پاک و ہند کے ممتاز عالم مرحوم پروفیسر خواجہ منظور حسین سے منسوب کر کے ان کی رُوح کو اذیت پہنچانے کا سامان کیا گیا ہے۔
- یہ دیوان ایک ایسے شخص نے مرتّب کیا ہے جو مصرع وزن میں نہیں پڑھ سکتا۔
- دیوان کے اِس نسخے میں تدوین اور ترجمے کی غلطیاں ایک سو سے زاید ہیں۔

ـــــــ ناشر